منشی اسماعیل

تاریخ جدید

تاریخ جدید
من تصنیف منشی اسماعیل
در ۱۱۸۵ ہجری

وتمم بسم اللہ الرحمن الرحیم بالخیر

پاک ہے وہ خدا، لائقِ حمد وثنا، کہ جس نے آسمان و زمین کو انواعِ مخلوقات سے زینت بخشی اور لسانِ انسان کو انواع و اقسام کے گہرہاے آبدار سے نوازا۔ پس اس عطاے متاعِ عظیم کا قادر بے ہمتا جل جلالہ کی حمد وثنا میں صرف ہونا لازم بھی ہے اور مناسب بھی۔ شعر

منت خدای را کہ کریم و رحیم است　　آندم بہ صرف حمد تو آرمہ ہمیں بجاست
از قدرت عظیم تو شد ممکن الوجود　　کردی مرا عنایت و دادی ہر آنچہ خواست
ارض و سما و کوہ مشید تو ساختی　　تعمیر جلوہ گاہ کنی بس ز مدعاست

(شکر خدا جو کریم و رحیم ہے جو وقت اُس کی حمد میں صرف ہو وہی صحیح ہے، تیری قدرت عظیم سے ممکن الوجود بنا اور جو عنایت تو نے چاہی مجھ پر کی، زمین و آسمان، اور کوہ مشید سب تم نے بنائے، تیرے محض ارادے سے حقیقت جلوہ گر ہوتی ہے۔)

اور اب نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو حبیب پروردگار اور دستگیر بندگانِ گنہگار و پریشان حال ہیں اور آپ کے لیے ارادات قلبی حتمی اور واجب ہیں۔ خلاصہ یہ کہ: شعر

دستگیر عاصی و بدتر تویی　　جرعہ بخش بر لب کوثر تویی
گر نظر داری بسوی حال من　　لایق تحسین شود اعمال من
گرچہ نا کردن بسی می کردہ ام　　بارگاہ کبریا را بندہ ام
روز پرسش پیشگاہ قاضیم　　آیہ رحمت تویی من عاصیم
تو شفاعت کن بروز رستخیز　　بہر عصیان آبروی ما مریز

(دستگیر عاصی بدتر ہو تم　　جرعہ بخش و ساقی کوثر ہو تم
میرے حال بد پہ ہو گر اک نظر　　لائق تحسین ہوں اعمال سب
گرچہ میں کرتا رہا اتنے گناہ　　پر ہمیشہ میں رہا بندہ ترا
روز محشر میرے قاضی کے حضور　　تیری ہوگی رحمت اور میرے قصور
روز محشر تو شفاعت کر مری　　میں سیاہ رو ہوں تو عزت رکھ مری)

اللہ تعالیٰ ایک ایسا قادر مطلق ہے کہ اس کے کمالِ قدرت کا بیان زمین و آسمان کے وسیع و عریض صفحات میں بھی ممکن نہیں اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے پیغمبر عظیم الشان کہ آپ کا صرف ایک وصفِ شفاعت بھی ہزاروں دفاتر امکان میں تحریر نہیں کیا جا سکتا تو مجھ سا حقیر اس مختصری تحریر میں کیا رقم کرے گا۔ ناچار راہِ اختصار اختیار کرتے ہوئے اس لامحدود خزانے سے اپنے محدود ظرف کے مطابق یہی پیش خدمت ہے۔

گیارہ سو پچاسی ہجری قدسی بمطابق ۱۱۷۸ بنگلہ [۱۷۷۱ عیسوی] از قضاے قسمت و سزاے معصیت، سینتیس سال کی عمر میں، خداوند نعمت، قوام الدولہ، مسٹر کیلاڈ رسل [Claude Russell] بہادر راسخ جنگ دام اقبالہ کے ساتھ ولایت انگریز کا ایک سفر پیش آیا اور خداوند نعمت کو جہاز میں اس حقیر کی فارسی کتب پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ایک روز جزیرہ سنٹ ہیلینا [St. Helena][1] کے مقام پر کہ جس کا ذکر بموقع کروں گا یہ بات ذہن میں آئی: شعر

دل من پیر تعلیم است و من طفل زبان دانش

(میرا دل پیر تعلیم ہے اور میں مرید ہوں۔)

واقعہ کچھ یوں ہے کہ اس سے قبل کتاب مفتاح الاصول[۲] کی تالیف میں کہ جو قانون منشی گری اور اس کے فوائد سے متعلق ہے قیمتی اوقات صرف ہو چکے ہیں اور الحمدللہ کہ مرغوب خاطر اور منظور نظر قرار پائی ہے اور اکثر لوگ اس سے مستفید اور لطف اندوز ہو چکے ہیں اور اس تحریر پر توجہ بھی دی جاتی ہے؛ کیوں نہ سرکار کی اس نوکری میں اپنے احوال اور اس دیار کی کیفیت کو شروع سے آخر تک مروج، سلیس، سادہ اور مفید عبارت میں تحریر کر کے اپنے آقا کے ذوقِ مطالعہ کے لیے پیش کروں اور بنگال واپسی پر اسے ضبطِ تحریر میں لے آؤں۔ اس امید کے ساتھ کہ مبتدیوں کے لیے مفید اور اہلِ سخن کے لیے "تاریخ جدید"[۳] کی مانند ہوگی۔ واللّٰہ المستعان علی ماتصفون[۴] لیکن بزرگانِ عالی ہوش ورمز شناسانِ خطا پوش سے توقع ہے کہ اگر دورانِ مطالعہ اس ناقص تحریر میں کوئی سقم ملاحظہ ہو تو اما السائل فلا تنہر[۵] کے مصداق اصلاح ضرور فرمائیں کیونکہ ان اللّٰہ لایضیع اجر المحسنین[۶] اس اجمال کی تفصیل یہ کہ گیارہ سو تراسی ہجری بمطابق ۱۱۷۷ بنگلہ [۱۷۶۹ء]، بارش کے نہ ہونے کے سبب ضلع بنگالہ کی ربیع وخریف کی فصل ضائع ہوگئی اور کیڑوں اور مٹی سے آلودہ چاول، ایک روپیہ کے تین آثار[۷] کے بھاؤ پر مرشد آباد، کلکتہ، ہوگلی، بردوان اور اطراف کے علاقوں کے بازار میں پہنچا۔ اور وہ بھی یوں کہ امیروں کے لیے بھی حاصل کرنا مشکل تھا؛ بیچارے غربا وفقرا کی تو خیر بات ہی کیا۔ غرض یہ کہ ایسے حالات تھے کہ خدا کسی کو بھی ایسے حال میں مبتلا نہ کرے اور ایسی قیامت سے اپنے بندوں کو دور رکھے۔[۸] شعر

بود سالی کہ دانہ پنہان شد　　عالم کاینات ویران شد
مرگ از محنت شبا روزی　　ناتوان و ضعیف و حیران شد

(ایسا سال تھا کہ دانہ نظر نہ آتا، عالم کائنات ویران ہوگیا، موت دن رات کی مشقت سے ناتوان وضعیف وحیران ہوگئی۔)

یہ سب حالات جو ہم نے دیکھے، خود اپنی ہی بداعمالیوں کا نتیجہ تھے اور آسمان کی یہ کج رفتاری، جس سے ہم دوچار ہوئے، خود اپنے ہی افعال کی سزا تھی۔ شعر

عاقل نہ ای ازان ز فلک شکوہ می کنی　　ورنہ فلک مسخر فرمان آدم است

(آسمان سے گلہ عقلمندی نہیں ہے، آسمان تو انسان کے حکم کا تابع ہے۔)

خدایا! ہمیں اپنے نفسوں اور اپنے اعمال کی پلیدیوں سے محفوظ رکھ!

اس سے ایک سال پہلے، اس حقیر نے روزگار کے سلسلے میں کلکتہ میں دو تین مہینے رہائش اختیار کی تھی اور اپنے زمانے کے فضلا کی خدمت میں حاضری دی۔ باوجود اس کے کہ میں نے گریہ وزاری اور التماس وتمنا کے ساتھ اپنی تحریریں انھیں پیش کیں، کسی نے ایک حرف مطالعہ کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ شعر

نالہ ہر چند کار گر باشد　　چکند با دلی کہ سنگین است

(نالہ وزاری کا اثر ہوتا ہے لیکن سنگ دل پر نہیں۔)

تب میں اپنے کیے پر سخت پشیمان ہوا اور فطرت انسانی کے تحت اپنے آپ کو لعنت وملامت کی۔ اسی وقت غیب سے جیسے کچھ پندونصائح بصورت الہام نصیب ہوئے کہ جھوٹی شان وشوکت پر بھروسہ نہ کر اور ہر لمحہ کو آخری سمجھ اور رسوائی کا ڈھول گلے باندھنے کی ضرورت نہیں اور پست صفت اہل دنیا سے توقع مت رکھ کیونکہ ادھوری اور ناقص عطا سے لیتنی اچھی نہیں ۔ بالکل ایسے ہی جیسے زکام کی چھینک کو علامت رحمت نہیں سمجھا جاسکتا۔ لذائذ نفسانی کی پیروی کو ترک کرنے کی کوشش کرو کہ وہ حسرت وناوانی کا موجب محنت ہے۔ اپنا کام خدائے بزرگ کے حوالے کرو اور چند روزہ حیات مستعار کو قناعت سے گذارو۔ حیف صد حیف، افسوس ہزار افسوس۔

این شکم بی ہنر پیچ بہ پیچ　　صبر ندارد کہ بسازد بہ ہیچ

(یہ پیچ در پیچ، بے ہنر پیٹ ہے، صبر اتنا کہاں کہ قناعت کرے۔)

بس وہاں سے مرشد آباد آ گیا اور کچھ عرصہ مختصر سا کام کیا ۔ پھر آب و دانہ کی کشش نے جہانگیر نگر کھینچ لیا۔ کچھ وقت وہاں گذرا، اس کے بعد دوبارہ مرشد آباد آن پہنچا۔ پھر خیال آیا کہ آخر کب تک ان معمولی کاموں میں مشغول رہوں گا اور یوں ہی عمر عزیز کو ضائع کرتا رہوں گا۔ حصول آخرت کی سعادت کے لیے اپنی مساعی واستطاعات کو کب تک بروئے کار نہیں لاؤں گا اور تلاش معاش میں یوں ہی تضیع اوقات میں مصروف کار رہوں گا؟

دوسری جانب انگریز صاحبان بڑے نوکر پرور واقع ہوئے ہیں اور اپنے ملازموں کی فلاح و

بہبود کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، جیسا کہ قحط کے سال کے حوالے سے میں نے خود اپنی آنکھ سے ایک چٹھی دیکھی اور گرد و پیش سے بھی یہ بات سنی گئی تھی کہ جب تک غلہ مہنگا رہا، نوکروں کو پندرہ آنا فی روپیہ کے حساب سے سرکار چاول دیتی رہی اور یوں ملازمانِ سرکار، بدبختی اور پریشان حالی کے زمانے میں بھی ان آفات سے محفوظ رہے۔ اس طرح سرکار کے تمام ملازم فکر فاقہ سے آزاد ہیں اور حتی المقدور خوش و خرم زندگی گذار رہے ہیں اور سرور و شادمانی ان کا نصیب ہے۔ حسبِ حال صلاح اسی میں ہے کہ میں بھی سرکار کے نوکروں کی صف میں شامل ہو جاؤں شاید اسی بہانے خدا کا فضل شاملِ حال ہو جائے اور بہبودِ مقصود کی کوئی صورت نکل آئے۔ سو اسی ارادے سے موتی جھیل[9] کے مقام آیا۔ صاحب کرم و عطا و جود و سخا، مرجع مکارم اخلاقِ حمیدہ و مجمع اوصاف پسندیدہ، شیرازہ بند مجموعہ کار ممتحن، فخر الدولہ مسٹر داوید اندرسن*[10] (David Anderson) بہادر جنگ دام اقبالہ کہ جن کی ذات پُر برکات کے کاندھوں پر جنت البلاد صوبہ بنگالہ کے معاملات نظامت کی دستاویزات کی ترجمہ نویسی کی ذمہ داری تھی، آپ کی ملازمت نصیب بندہ ہوئی۔ اکثر اوقات حاضر رہا کرتا تھا۔ صبح سے دوپہر تک کمپنی سرکار اور دیگر صاحبان کے منشیوں کی دکان پر؛ جو کہ موتی جھیل کے کنارے مولسری کے ایک درخت نیچے ایک خاک آلودہ چٹائی پر تھی، بیٹھ کر خوش گپیاں کرتا اور ہر حوالے اور ہر طریقے سے اس مجلس کو آراستہ کرتا لیکن مثلِ معروف کے مصداق: شعر

چو در بستہ باشد چہ داند کسی   کہ گوہر فروش است یا پیالہ ور

(جب دروازہ بند ہو تو کیا معلوم کہ باہر گوہر فروش ہے بھکاری؟)

لہٰذا صاحب بہادر اس حقیر کی صلاحیتوں سے آگاہ نہیں ہو پاتے تھے اور مجھے بھی ان عام منشیوں کی طرح سمجھتے تھے کہ جو منشی گری کے ہنر سے ناواقف؛ یعنی موجز اور سجع اور عاری[11] میں فرق کرنے سے قاصر اور طبقاتِ اعلیٰ و اوسط و ادنیٰ و مساوی کے مرتبوں سے لاعلم ہوتے ہیں اور تھوڑی بہت فارسی کتب پڑھ کر صاحبوں کو سکھا دیتے ہیں۔ وہ مجھے بھی ملا دو پیازہ کے بقول "چوزے پالنے والا مولوی" سمجھتے تھے۔ دوسری جانب حقیر کو بھی وقت نہیں ملتا تھا کہ منشی گری کے لیے درکار خدمت گزاری اور سلیقہ شعاری کو ظاہر کر کے اپنے ہنر کا اظہار کر سکے اور جس طرح کہ ہونا چاہیے اس طرح اپنے کام کی

طرف ان کی توجہ مبذول کروا سکے۔ اس مقصد کے حصول کی فکر نے کوئی مہینہ بھر مجھے پریشان کیے رکھا اور اکثر اوقات انھی تفکرات کے بحرِ عمیق میں غوطہ ور رہتا یہاں تک کہ مرشد آباد کے بڑے صاحب مسٹر الکسندر[12] (Alexander) کو موتی جھیل سے چوان پور باغ جانے کا اتفاق ہوا۔ مسٹر اندرسن صاحب بھی، جو ان کے معتمدِ خاص تھے، آپ کے ہمراہ تشریف لائے اور اسی صبح اس باغ میں ایک ایسا اتفاق رونما ہوا کہ جس سے نیک و بد کی تمیز ممکن ہو سکی۔

نواب مبارز الملک، معین الدولہ، خان خاناں، بہادر مظفر جنگ، نشاط باغ سے اور مسٹر جان گراہم[13] [John Graham] صاحب و دیگر صاحبان جو کہ امورِ مملکت کی مجلسِ مشاورت میں شریک تھے، مداپور اور موتی جھیل سے وہاں تشریف لائے۔ قسمت کا کرنا ایسا ہوا کہ اس روز سرکار مسٹر اندرسن صاحب کا منشی بعجہ بیماری و بہ سبب جراحت کفل گھوڑے پر بیٹھنے سے قاصر تھا اور یہ کام میرے ذمے قرار پایا۔ حقیر نے منشی مذکور کے اخلاص کی لاج رکھتے ہوئے یہ ذمہ داری قبول کی، کیوں کہ ایک اچھے شخص کی دوستی ایک دنیا کی دوستی ہے، ایک اچھے آدمی سے آشنائی ایک دنیا سے آشنائی ہے۔

اسی وقت بازاری نان و پنیر نوشِ جاں کیا اور دن کے پہلے پہر روانہ ہو گیا۔ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی داروغۂ خدمتِ پشت بندی اور مسٹر یوتن صاحب، جو کہ پرگنہ کے عہدیدار تھے، کے آدمیوں کے بیچ تنازعہ رونما ہو چکا تھا اور اس سبب فریقین میں مخاصمت پیدا ہو چکی تھی اور اسی دوران مسٹر معزالیہ کا ایک بندہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ مذکورہ داروغہ کی عرضی اور مسٹر موصوف کا خط دونوں ہی صاحب کرم فرما فیض بخشِ بے انتہا، گوہر یکتا، دُرج محاسن مسٹر اندرسن کے حضور پیش کر دیے گئے تھے تا کہ فارسی اصل کو انگریزی اور انگریزی مضمون کو فارسی میں لکھ لکھا کر جلد ارسال کریں اور یوں نواب صاحب سے اس معاملہ کا سوال و جواب کیا جا سکے۔ صاحب موصوف، مسٹر الکسندر صاحب کی تاکید اور دوسری جانب کسی معاملہ رس منشی کے حاضر نہ ہونے کے سبب متردد تھے۔ اس لمحے بندہ آپ کے حضور پہنچا اور سلام عرض کیا۔ فوراً طلب فرمایا اور مذکورہ عرضی سپرد بندہ کی اور فرمایا کہ اس کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے۔ شعر

شکر خدا کہ ز بخت کار ساز   کاری کہ ساختم ز خدا شد میسرم

(شکر خدا کہ بخت کارساز کی مدد سے جو مطلوب تھا خدا سے حاصل ہوا۔)

بندے نے ایسا ہی کیا اور جتنا جلد ممکن تھا انگریزی بھی لکھوا ڈالی اور بعد میں انگریزی متن جو کہ صاحب موصوف نے بتایا تھا اس کا مسودہ تیار کیا اور فوراً صاف اور واضح بند افشاں[14] پر لکھ دیا۔ آپ نے اس پر نظر ثانی فرماتے ہوئے الکسندر صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا۔ تقریباً دن کے سوا دو بجے تھے؛ صاحبان مشغولِ طعام ہوئے اور دربار برخاست ہوگیا۔ بندہ بھی رخصت ہوا اور اپنے مکان پر چلا گیا۔ شکر خدا کہ اس روز سے صاحبِ موصوف کو میں نے اپنی جانب بیشتر متوجہ پایا اور اکثر لکھنے پڑھنے کے معاملات میں مخاطب فرماتے۔ اس بات کو پورے دو مہینے نہ گذرے ہوں گے کہ حسنِ اتفاق سے کلکتہ سے مونگیر[15] کی سیر کی غرض سے آنے والے قوام الدولہ مسٹر کیلا درسل بہادر راسخ جنگ[16] موتی جھیل تشریف لائے اور ایک روز صاحب مکرم الیہ رفعت نصیب سے کہا کہ کسی ایسے منشی کو میرے لیے مقرر فرمائیں کہ جو ولایت تک ساتھ جا سکے، ضمناً قدرے لیاقت کا حامل بھی ہو۔ اور پھر وہ مونگیر کی سمت روانہ ہو گئے۔

درگاہِ الٰہی کا یہ گنہگار بندہ سرے سے آگاہ نہیں تھا۔ ایک روز سرکار فیض بخش و کرم فرما کے منشی نے اس نوکری کی بابت مجھ سے استفسار کیا۔ حقیر نہایت تامل و تفکر میں مبتلا ہوگیا کیوں کہ خیال آیا کہ یوں عالمِ قناعت اور ادائے رسمِ شریعت سے سینکڑوں مراحل دور ہو جاؤں گا اور وقت کا ضیاع اور محبتِ دنیا ہزار گنا بیشتر ہو جائے گی جیسا کہ مولوی شیراز رحمت اللہ علیہ کا فرمان ہے: شعر

رزق ہر چند بے گماں برسد　　　　شرط عقل است جستن از در ہا

(رزق چاہے بے گمان ہی کیوں نہ آئے، اس سے رہائی ہی عقلمندی ہے۔)

لیکن حالت گدائی سے صرفِ نظر کرنا اور بعد میں ہاتھ ملنا بھی میسر روزی سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے؛ اور سرکار کرنیل بیج صاحب[17] کی نوکری کی طرح بعد میں افسوس کرنا نادانی ہے۔ مسٹر کاکس[18] صاحب تین روز تک کلکتہ میں زحمتیں اٹھاتے رہے۔ حقیر اس ڈر سے کہ مندراج تک جہاز پر جانا ہوگا یہ زحمت گوارا نہیں کر رہا تھا۔ بالآخر ایک اور شخص اس کی جگہ چلا گیا اور دو سال کے بعد وہ شخص، جس نے دنیا کی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی، کیا کچھ نہیں دیکھ آیا اور انواع و اقسام کی چیزیں گھر لے

آیا اور پھر کسی نوکری کا محتاج نہ رہا۔[19]

دوسری طرف اگر اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہوں تو پدر بزرگوار بوڑھے ہو چکے ہیں اور جو دو بھائی ہیں وہ ابھی اپنے آپ سے بے خبر ہیں کسی اور کا کیا خیال رکھیں گے۔ میرا اپنا ایک چھوٹا بیٹا ہے جس کی ماں دنیا سے رخصت ہوگئی ہے۔ اس بے چارے کی پرورش کون کرے گا؟ اس کے سر پر لطف و مہربانی کا ہاتھ کون رکھے گا؟ خدا جانے اس دور دراز کی نوکری میں اس کی رضائے مقدس ہوگی یا عسرت و تنگی! اس طرح کے اندیشے اور خیالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے جواب دے دیا کہ مجھ سے یہ نہ ہو پائے گا۔ اس کے بعد کئی منشی اس نوکری کے حصول کی غرض سے حاضر ہوتے لیکن صاحبانِ مشکل پسند کے معیار پر پورے نہ اترنے کے سبب مایوس ہو کر لوٹ جاتے۔ یہ حقیر بھی کسی حال میں خوش نہ تھا۔ جس روز کیلا درسل بہادر صاحب راسخ جنگ مونگیر سے واپس تشریف لائے تھے اس نحیف الخلقت کے کان میں خبر پڑ چکی تھی۔ لیکن رات میں کہیں نہ گیا۔ پشیمانی میں خلوت خانۂ دل میں بیٹھا بیکاری اور قرض داری کے بارے اور والد بزرگوار کے مشکل حالات کے بارے سوچ رہا تھا۔ جب مہنگائی کا سال [یعنی قحط] تھا تو خانہ داری کے اسباب جن میں قیمتی برتن اور سونے چاندی کے زیورات، قالین اور دیگر اشیائے قیمتی شامل تھیں، سب بیچ بٹا کر اپنے لواحقین کی ضروریات پوری کیں اور قلت مال کے باوجود اپنی میراث میں سے مجبوراً کچھ خرچ کر کے اپنے عزیز و اقربا کو بھی فاقوں سے نکالا۔[20] مجھے اس بات کا شدید افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے ان ایام سخت و صعب میں بھی اپنی شکم پروری کے علاوہ کسی طور پر خدمت کی سعادت حاصل نہ کی۔

اسی عالم حیرت و افسوس میں گم تھا کہ چھ بجے رات حضور الطاف معمور، گلستانِ مہر و محبت کی بہار، باغِ شفقت و قدر دانی کے سروِ موزوں، غریب پروری میں بے مثال، صدر نشینِ محفلِ کرم، شفا بخشِ پریشان حالاں، مسٹر ڈاوید اندرسن کا، خدا انھیں سلامت رکھے، ہرکارہ آیا اور اس روسیاہ کو فی الفور طلب کیا۔ حقیر نے فوراً لباسِ دربار پہنا اور صاحبِ موصوف کی جانب گیا۔ فرمایا کہ قوام الدولہ مسٹر کیلا درسل بہادر راسخ جنگ کو ایک منشی چاہیے کہ جو ان کے ہمراہ ولایت جا سکے۔[21] بڑی مناسب اور معقول ملازمت ہے اور میں آپ کو اس کے لائق جانتا ہوں۔ آپ کو مقرر کیا جاتا ہے کہ ان کے ہمراہ جائیں۔

حقیر سوچ میں پڑ گیا اور اپنے حالات پر نظر دوڑائی اور خوب سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ بے روزگاری کا چاقو ہڈی تک پہنچ چکا ہے [بات آخر کو آن پڑی ہے] اور اس طرح وقت کا گذرنا بھی بہرحال پریشانی ہی کا باعث ہوگا۔ یہاں رہ کر ذلت اور رسوائی کی زندگی گذارنے سے بہتر ہے کہ اس خطرناک سفر کی تکلیف برداشت کرلی جائے۔ اور اس شعر کے مطابق:

کارساز ما بفکر کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

(جب ہمارا کارساز ہماری فکر کر رہا ہے تو پھر اپنے کام کی خود فکر کرنا ہمارے لیے باعث آزار ہے۔)

اور یوں خدائے کریم کے کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے میں اس نوکری کے لیے تیار ہوگیا اور عرض کیا کہ آپ کی عنایت ہے اور اگر مجھے اس خدمت کے قابل سمجھیں تو میں حاضر ہوں۔ اگلی صبح کہ جب جمادی الثانی کی دسویں تاریخ اور مالکِ خلق، حامیِ اسلام، شاہ عالم بادشاہ غازی[۲۲] کی، خدا ان کی حکومت اور عدل و احسان سدا قائم رکھے، تخت نشینی کا بارھواں سال اور ماہِ ستمبر کی بارہ تاریخ تھی، قوام الدولہ مسٹر کیلا ورسل بہادر راسخ جنگ، خدا ان کا اقبال قائم رکھے، باغ چوان پور سے موتی جھیل تشریف لائے اور اس حقیر کو آپ کی ہمراہی کی سعادت نصیب ہوئی۔ سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہوا۔ خداوند نعمت کلکتہ روانہ ہو رہے تھے۔ فرمایا کہ بندہ بھی ہم رکاب ہو۔ بندے نے اتنی جلدی جانا ممکن نہ سمجھا لہٰذا معذرت کی اور آپ نے مزاج مبارک و طبیعت نیک کے مطابق میری معذرت قبول فرمائی۔ آپ رات کے وقت چوان پور باغ تشریف لے گئے اور اگلی صبح مزید سفر جاری رکھتے ہوئے کوئی سات آٹھ دنوں میں کلکتہ داخل ہوئے۔ اس حقیر و بے بضاعت نے، جو کہ موتی جھیل پر تھا، گنج فضل و کرم مسٹر داوید اندرسن سے کچھ رقم لے کر اپنی ضروریات پر خرچ کی اور کچھ زادِ راہ بھی ساتھ لیا[۲۳] اور وہاں سے صاحب موصوف دام الطافہ کی عنایت کردہ کشتی کے ذریعے کلکتہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ میرا غریب خانہ گنج کلنا[۲۴] کے راستے میں مغرب کی سمت تین کروہ[۲۵] کے فاصلے پر ساتکام سے متعلقہ چکلہ بردوان کے موضع رسول پور میں ہے جو کہ جنت البلاد بنگالہ کے مضافات میں واقع ہے۔ کشتی کو مذکورہ گنج کے پانی کے کنارے چھوڑا اور اس کی حفاظت و حراست پر وہاں کے داروغہ کو مامور کیا اور میں خود خیر و

برکت کے حصول اور انھیں اطلاع دینے کی غرض سے، والد بزرگوار کے حضور حاضر ہوا۔

اول قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور پھر اپنی نوکری کے حوالے سے مطلع کیا اور اجازت طلب کی۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس نوکری کو مبارک فرمائے، صاحب اقبال کی خدمت کے شجر سے حصولِ درجات اور فلاحِ حال و مستقبل کا ثمر ہاتھ آئے اور خدا تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم اور بندہ پروری سے مجھے بخیریت ولایت پہنچائے اور خیر و عافیت سے واپس لائے تا کہ ان منتظر آنکھوں کو لقائے مکرر سے نورِ تازہ نصیب ہو اور اسی عظیم نعمت کا خدائے منعم کے حضور اپنی زبان اور ہاتھوں سے سو سو شکر ادا کروں۔

دو روز اسی طرح دعاؤں کے تبادلے میں گھر ہی میں گذر گئے۔ پھر خود کو حوالۂ خدا کیا اور اپنے تمام عالی مرتبت بزرگوں اور غم گسار بھائیوں سے وداع ہوا اور گنج مذکورہ پہنچ کر [کشتی پر] سوار ہو گیا۔ ملاحوں اور مانجھیوں کا تعلق جہانگیر نگر سے تھا اور ضلع کلکتہ کے دریائی راستوں اور طور طریقوں سے بے خبری کے سبب کشتی کو درست نہیں چلا رہے تھے۔

موضع بارہ نگر کے برابر [ساتھ] پانی میں تلاطم آیا اور حسب روایت، کہ جس طرح ہر مہینے میں ہوتا ہے، پورے دریا کا پانی تہہ و بالا ہوگیا جس کی وجہ سے ساری کشتی متزلزل ہوگئی اور اہل کشتی سبھی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے لیکن درگاہِ الٰہی کا یہ گنہگار کہ جو ولایت کی جانب عزم سفر کیے ہوئے تھا، اس نے اپنے ہوش و حواس کو برقرار رکھتے ہوئے، اپنا سارا ذکر و فکر اس حقیقی کشتی بان کی جانب مبذول رکھا۔ شکر خدائے کریم کہ اس نے جلد ہی اس بلائے عظیم سے رہائی بخشی اور ہمیں ساحل کلکتہ پہنچایا۔ شعر

ای خدا قربان احسانت شوم این چہ احسانست قربانت شوم

(اے خدا تیرے احسان کے قربان جاؤں، یہ کیسا احسان ہے تجھ پر قربان جاؤں۔)

جب مورو چوک پہنچے اور ابھی کشتی رکی بھی نہیں تھی، کہ باران رحمت کا آغاز ہوگیا اور تمام رات اور دن بغیر کسی وقفے کے بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ کشتی سے اترنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب صبح ہوئی اور بارش ذرا تھمی تو یہ حقیر، خداوند نعمت کی ملازمت اور قیام کی غرض سے کشتی سے اترا۔ شکر خدا کہ بطریقِ احسن مقصود حاصل ہوا اور بغیر درخواست کے اس خاک نشین پردیسی کو ایک شان و

شوکت کی حامل عمارت میں رہائش عنایت فرما دی گئی اور گندم نما جو فروشوں کی آنکھوں کے سامنے، کہ جو لاعلاج مرض میں مبتلا تھے اور اپنی معمولی دارائی کے سبب کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اس حقیر کو امتیاز بخشا گیا۔ اس عالی شان مکان میں تقریباً دو ماہ رہائش نصیب ہوئی اور کبھی کبھی تو کثرت خوشدلی سے بادشاہی کا احساس ہونے لگتا۔ کیونکہ راحتِ دنیا ہمیشہ کے لیے تو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی، تھوڑے ہی عرصے میں صورتِ حال بدل گئی اور جانکاہ اور دشوار سفر پیش آ گیا۔ ماہ شعبان معظم کی بیسویں شب، بمطابق ستائیس نومبر، خداوند نعمت مقام کلکتہ سے عازمِ سفر ہوئے اور باغ موچی کھولا میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کا سفینہ اور دیگر ضروری سامان کی حامل کشتیاں باغ مذکور کے پاس فراہم کی گئیں۔

حقیر نے بھی اپنی کشتی، سواری خاص کے پاس لگوائی اور شب ذاتِ حي وقدیر کی تسبیح وتہلیل میں گذاری۔ صبح تقریباً ڈیڑھ بجے ہم قلعہ بجیا کے برابر پہنچے اور دو بجے کے قریب کشتی سے اترے اور صاحبان قلعہ دار سے مصافحہ و معانقہ عمل میں لائے اور دن کا کھانا بھی وہیں تناول کیا۔ عصر کے وقت احقر تیار ہوا اور صاحبان میں سے ہر ایک باری باری جلوہ افروز ہوئے۔ ان کے تینوں اطراف تختِ زمین سبز گھاس کے فرش زمردی سے گھرا ہوا تفاخر کر رہا تھا۔ عطر آمیز پھولوں کی خوشبو قصر دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ شعر

لالہ زاری کہ ازو روی تمنا رنگین　　　سبز زاری کہ ازو چشم تمنا روشن

(ایسا لالہ زار کہ اس سے روے تمنا رنگین اور ایسا سبزہ زار کہ اس سے چشمِ تماشا روشن ہو جائے۔)

رات وہیں کشتی پر گذارنے کا اتفاق ہوا۔ صبح نقارۂ کوچ بجایا گیا۔ رات رستے میں ہی گذری۔ مذکورہ مہینے کی بائیس تاریخ بروز اتوار بمطابق اول ماہ دسمبر ۱۷۷۱ء یعنی سترہ سو اکہتر عیسوی علیہ السلام ہم ہجلی[۲۶] پہنچے اور خدا پر توکل کرتے ہوئے ولایتی جہاز پر سوار ہوئے۔ صاحبان کے سامان کی منتقلی اور جہاز کے امور کی انجام دہی میں دو روز صرف ہوئے۔ اسی مہینے کی پچیس تاریخ اور ماہ عیسوی کی تین تاریخ بروز پیر صبح صادق کے سعد وقت میں جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اور جہاز راہیِ ولایت ہوا۔ سب اپنے متعلقہ کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اس حقیر پر تقصیر، خطا کار و گناہ گار اور حضرت رسالت

مآب ﷺ کی شفاعت کے امیدوار نے خداوند نعمت کی عنایت کردہ جگہ پر اقامت کی اور روز و شب یہی ترانہ زبان پر جاری رہا: شعر

ما کارِ خویش را بخداوند کار ساز　　　بسپردہ ایم تا کرم او چہ ہا کند

(ہم نے اپنا کام خداوندِ کارساز کے سپرد کیا، دیکھتے ہیں کہ اب اس کا کرم کیا ہوتا ہے۔)

الحمدللہ! فضل الٰہی کی تمام صورتیں مہیا تھیں۔ سوائے ماہ مبارک رمضان کے روز و شب کی برکات اور نماز پنجگانہ کے ثواب سے محرومی کی حسرت اور دکھ کے، اور کوئی پریشانی نہیں تھی۔ لیکن قضا کے ساتھ لڑا نہیں جا سکتا مجبوراً شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کیا اور صبر و شکر کیا۔

رحمت و مرحمت خدا کے منتظرین کی اعانت اور دلداری کے لیے بادِ موافق چلتی رہی [موسم ٹھیک رہا] اور جہاز رانی میں ممد رہی اور دو ماہ اور بارہ روز میں، ذیقعدہ کی دس اور فروری کی پندرہ تاریخ بروز پیر کو، کیپ کدوب [Cape of Good Hope][۲۷] پہنچے جو ولندیزیوں کا مسکن ہے اور کلکتہ سے چھ ہزار ولایتی کروہ[۲۸] کے فاصلہ پر واقع ہے۔ خداوند نعمت دام اقبالہ سہ پہر کے وقت دیگر صاحبان کے ہمراہ جہاز سے اترے اور ایک ولندیزی افسر کے گھر میں تشریف فرما ہوئے اور جہاز کی تکالیف کے ازالے میں مصروف ہو گئے اور ایک صاف ستھرا الگ مکان مجھے بھی مرحمت فرمایا۔ وہاں بارہ روز خوشی و خرمی میں گذرے اور عالی جاہ خداوند نعمت کے ہمراہ کوچ پر سوار ہو کر اس علاقے کے پہاڑوں کے دامن میں، جو کہ سات آٹھ کوس کے علاقے پر مشتمل ہے، سیر و سیاحت کی اور اس خوبصورت علاقے کے انگور، انار، انجیر، سیب، شہتوت، بادام اور دیگر تر و تازہ پھلوں اور قسم قسم کے ذائقوں سے لطف اندوز ہوئے۔ بہت سی مخلوقات عجیب الخلقت، کہ کبھی ان کا وہم و خیال بھی نہ آیا تھا، وہاں پر آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ساکنانِ کوہ کو دیکھا جو کہ عجیب و غریب لباس پہنتے ہیں۔ گو کہ اس کا اظہار نادرہ گوئی تو نہیں لیکن اپنے آبائی شہر کے خلوت گزین افراد کے لیے اور خواہش مندوں کی کدورت کی آگ کو بجھانے کی غرض سے اس نادر لباس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ایک وجب[۲۹] طولانی، پشم کی طرح کی پوست میں مردانہ اعضا کو رکھتے ہیں۔ چشم حیوانی کے رگ و ریشہ سے بنی رسّی اپنی کمر کے گرد باندھ لیتے ہیں اور اس کے اوپر ایک اور پوست کو، جس کی بدبو انسان کے دماغ کو مکدر کر دے، پشت سے باندھے لٹکا دیتے ہیں۔

ان کا لباس یہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں پہنتے۔ ان کی خوراک کچا دودھ اور ناگوار گوشت ہے۔ اگرچہ ان کی رنگت کالی سیاہ ہے لیکن حبشیوں سے کم ہے اور بے رونق بھی۔ وہ پہاڑ، جہاں ان کا مسکن ہے، ولندیزیوں کے تصرف میں ہے کیونکہ وہ سب رعایا اور غلاموں کی طرح ان کی خدمت اور کاموں کی انجام دہی کے لیے ہر وقت آمادہ دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح کے عجائب و غرائب وہاں بکثرت دیکھنے میں آئے اور وہاں پر رہن سہن کے طور اطوار کی بابت کافی کچھ دریافت کیا، لیکن یہاں ان تمام باتوں کا تذکرہ طول کلام ہوگا کیونکہ اصل مقصد سفرنامہ ولایت ہے لہٰذا تفصیلات کو قلم زد کرتے ہوئے حسب موقع محل صرف قابل ذکر خوبیوں اور خامیوں کے مختصر بیان پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

اب ذیقعدہ کی اکیس اور فروری کی ستائیس تاریخ پر آتے ہیں۔ خداوند نعمت دام اقبالہ نے حکم دیا کہ اثاثۂ سرکار کو ساتھ لیے جہاز پر پہنچوں اور اپنی جگہ متمکن ہو جاؤں۔ بندے نے ایسا ہی کیا۔ صبح آپ خود تشریف لائے۔ وہ دن اور وہ رات لنگر اٹھانے اور دیگر کاموں میں گذر گئے۔ دوسرے روز سہ پہر کے وقت روانہ ہوئے، کیونکہ ہوا حسب خواہش، مسلسل چل رہی تھی۔ چودہ روز میں، ذی الحج کی آٹھویں کو، بمطابق تیرہ مارچ بروز جمعہ بوقت صبح مذکورہ جزیرہ سنٹلین [Saint Helena][30] جو کہ وہاں سے ایک ہزار پانچ سو ولایتی کروہ [۱۵۰۰ میل] کے فاصلہ پر ہے، پہنچے۔ جہاز قلعہ کے برابر لنگر انداز ہوا۔ خداوند نعمت دام اقبالہ نے اسباب سفر کی فراہمی اور منتقلی کی بابت جس میں پہننے کا کپڑا اور دیگر ضروری سامان شامل تھا، خانساموں کو حکم دیا۔ بندے کو اجازت دی کہ رات جہاز پر ہی گذاروں اور کل جب الگ جگہ کا انتظام ہو جائے تو میں وہاں آ جاؤں۔ اور آپ خود چار گھڑی رہے دن کو، تمام صاحبان کے ہمراہ جہاز سے اترے اور مسٹر پورل داروغۂ غلہ خانہ کی حویلی میں تشریف لے گئے۔ رات وہاں کے بڑے صاحب [یعنی گورنر] کے ہاں ضیافت تھی۔ علی الصبح بندے کو یاد فرمایا اور مجھے رہائش کے لیے ایک دوسری حویلی عنایت کی۔

اس کے بعد متواتر خبر آ رہی تھی کہ جہاز میں پانی داخل ہو رہا ہے اور یہ بات سچ بھی ثابت ہوئی اور جہاز کے کپتان سے بھی کچھ ناشائستہ حرکات سرزد ہوئیں جن کی وجہ سے صاحبان کو غصہ آیا اور اسی وقت اپنے اسباب و سامان کو نیچے اتارا۔ خداوند نعمت نے دیگر صاحبان سے مشاورت، اتفاق نظر

اور عاقبت اندیشی کے پیش نظر جہاز سے ضروری سامان طلب فرمایا اور [دیگر] جہازوں کی بندرگاہوں سے واپسی کے انتظار میں رک گئے۔ مذکورہ جہاز ذی الحج کی پندرہ بمطابق اکیس مارچ ولایت کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں جہاز کے کپتان سے سرزد ہونے والی ناشائستہ حرکات کی تفصیلات کا ذکر میں نے نہیں کیا تو اس کا سبب میرے قلم کی ناتوانی نہیں کیونکہ یہ میرا آبائی پیشہ ہے، بلکہ سب بزرگوں کی مشہور نصیحت ہے جو ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے اور یہ کہ رازداری ہمیشہ پسندیدہ اور سنجیدہ عمل ہے۔ اگر بے معنی باتوں کو تحریر کروں تو وہ ہر خاص و عام کے کانوں میں پڑیں گی اور اظہار بدی، بدی سے برا ہے۔

شعر:

نہ ہر جایی مرکب تواں تاختن   کہ جا ہا سپر باید انداختن

(ہر جگہ گھوڑے سے حملہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ بہت سے مقامات پر ڈھال رکھ دینی چاہیے۔)

بہرحال مذکورہ مسئلہ کی بنا پر وہاں قیام کرنا پڑا اور حالات کے تقاضے کے تحت کچھ اور مکروہات بھی واقع ہوئے۔ اس شعر کی مثل:

در مقام حرف بر لب مہر خاموشی زدن   تیغ را زیر سپر در جنگ پنہاں کردن است

(مقام گفتگو میں خاموشی سے لب سی لینا، جنگ میں تلوار کو ڈھال کے نیچے چھپا لینے کے مترادف ہے۔)

جزیرہ سنٹلین کی حقیقت اور سیاحت کے بیان پر آتا ہوں۔ چار بلند و بالا پہاڑ ہیں جن کی اونچائی برابر اور وہ آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کے چاروں جانب کھاری پانی والا سمندر پھیلا ہوا ہے اور اس کا کسی طرف سے کوئی کنارہ دکھائی نہیں دیتا۔ شورشِ آب سے شب و روز ہُوہُو کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور امواج اس قدر شدت سے آپس میں ٹکراتی ہیں کہ پتھر ٹکڑے ہو کر مٹی کے نیچے دفن ہوتے چلے جاتے ہیں اور سنٹلین اسی سے عبارت ہے۔ دو پہاڑوں کے بیچ تھوڑا فاصلہ دیگر دو کی نسبت زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ سمندر کے کنارے قلعہ تعمیر کیا گیا ہے اور اس پر نیچے سے اوپر تک توپیں نصب کر کے محفوظ اور محصون کر دیا گیا ہے کہ قلعدار کے حکم کے بغیر کسی جہاز کا گذر وہاں سے ممکن نہیں۔ جو چند گھر ہیں، وہ قلعہ کے ملازموں کے ہیں۔ اس حفاظت پر اٹھنے والے اخراجات کمپنی ادا کرتی ہے اور آمدنی کا خراج ان کے بادشاہ کو ادا نہیں کیا جاتا۔

جس زمین پر قلعہ اور گھر بنے ہیں، کافی تنگ ہے اور اس میں وسعت نہیں پائی جاتی اور اوّل سے آخر تک پہاڑی ہے جس کی وجہ سے وہاں اشیائے خوراک کے لیے بھی کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی سوائے ایک خاص قسم کے کیلے کے جو بنگالہ میں بھی کم کم اور کبھی کبھار ہی دکھائی دیتا ہے۔ وہاں اسے چکھنے کا موقع بھی ملا ہے اسے ''امرتمان'' کہا جاتا ہے اور وہاں کچو (زبان خار) بھی ہے کہ جس کو کھانے سے صاحبان تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔[۳۱] ایندھن یعنی جلانے والی لکڑی بھی ہے جو پہاڑ پر اگتی ہے اور فیض الٰہی کے چشمے کا میٹھا پانی بھی کہ جو شب و روز جاری ہے۔

دیگر اشیائے ضرورت تک اہل جزیرہ کی رسائی صرف ولایت، بنگالہ اور دیگر بندرگاہوں کے جہازوں کی بروقت آمد پر موقوف ہے اور اگر اتفاق سے جہازوں کی آمد میں تاخیر ہو جائے اور قلعہ میں اشیائے خوردنی بھی نہ ہوں تو سب اپنی بھوک اسی لعاب کچو سے مٹاتے ہیں اور ایسے موقع پر انھیں دو وقت کے کھانے میں بھی عام دنوں کی نسبت کمتر غذا ملتی ہے۔ اب ان بیچاروں کو اس کی عادت ہو چکی ہے۔

اس حقیر کو بھی ایک روز مرغ و مچھلی نصیب نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ کہیں سے کچو منگوایا اور پانی اور نمک میں ابال کر کھایا۔ زبان پر اس طرح حلق تک خارش لگ گئی کہ حیران ہی ہو گیا۔ ہر چند کہ اس سے نجات کے لیے مختلف انواع کے اچار استعمال کیے لیکن خارش کی اذیت کم نہ ہو سکی۔ اور اس گلوفارہ کی بدسرشتی سے لاچار ہو گیا۔ تنگ آ کر اس کی خبر خداوند نعمت کے حضور پہنچائی۔ اسی وقت آپ نے خزانہ دولت و اقبال سے نقدی مرحمت فرمائی اور افضال الٰہی اس بے گھر اور بے پر و بال کے نصیب حال ہوئے اور کمیابی کے باوجود مجھے ہر روز مسلسل مرغ اور مچھلی ملتی رہی اور میں نوش جان کرتا رہا اور اپنے قدردان آقا کا شکر ادا کرتا رہا۔ جیسے ہی قادر ذوالجلال والاکرام کی عنایت اور کرم سے قوتِ لایموت سے آسودہ خاطر ہوا؛ اکثر اوقات کوشش کرتا کہ اس مختصر سے جزیرہ میں قلعے کے قیام کا سبب اور اس کی روداد جان سکوں اور اس کی جانچ پرکھ کر سکوں۔ آخر کار معلوم ہوا کہ مذکورہ جزیرہ بندرگاہ چین، مندراج و بنگالہ اور دیگر علاقوں کے جہازوں کی آمد و رفت کے رستے میں واقع ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی ناموافق ہوا جہاز کو اپنے رستے سے دوسری جانب روانہ کر دے اور سفر کے دوران

اشیائے خوردنی کی کمی واقع ہو جائے تو ایسی صورت میں وہاں آن پہنچتے ہیں اور آب و شراب اور نان و کباب و دیگر اسباب میں سے جو بھی درکار ہو، کمپنی کی کوٹھی [فیکٹری] سے لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

میں اسی قسم کی تحقیق کر رہا تھا کہ تیس ذی الحج بمطابق انتیس مارچ بروز ہفتہ بندرگاہ چین سے نیل کی جانب جانے والا ایک جہاز سامان کی غرض سے وہاں آن پہنچا اور ایک دو دنوں بعد خداوند نعمت کی جہاز میں تشریف فرمائی طے پائی۔ ۱۱۸۶ ہجری، ماہ محرم الحرام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بمطابق چھے اپریل ۱۷۷۶ عیسوی علیہ السلام [۱۷۷۲ء][۳۲] جہاز میں سوار ہوئے اور وہاں سے مغرب کی جانب جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھول دیے گئے۔ اگرچہ مختلف قسم کی اشیا؛ جیسے چین سے آئے مختلف اقسام کے برتن، چائے، مصری اور کپڑے وغیرہ، کی کثرت کے سبب جہاز میں تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں تھی لیکن پھر بھی مجھے ایک الگ جگہ عنایت کر دی گئی اور یوں میں قدرت کے مشاہدے سے اپنی چشم ظاہر بیں کو رونق بخشتا اور صدق و یقین کو پختہ کرتا رہا کہ جس نے مچھلی کو طاقت پرواز بخشی اور دریا کو انواع و اقسام کی متاع سے مالا مال کر دیا:

قادرا قدرت تو داری ہر چہ خواہی آن کن

(اے قادر مطلق تیری قدرت سے سب ممکن ہے۔)

جہاز کے کپتان نے جہاز کے ضروری امور کی انجام دہی کے بعد اپنے کارکنوں کو اس حقیر کی بابت احکام صادر کر دیے کہ ہر روز حسب ضرورت مجھے پانی فراہم کیا جائے اور جب جہاز کا قصاب باورچی خانہ کے لیے کوئی بھیڑ یا بکری لائے تو خدمت گار مجھے اطلاع دے تا کہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے جس قدر گوشت درکار ہو، لے لوں۔ اسی طرح غلہ خانے کے داروغہ کو بھی حکم دیا کہ اس کے پاس چینی، مصری، مکھن، گھی، تیل، آٹا، کلچے اور مختلف قسم کے میوہ جات، جو بھی ہوں، مجھے فراہم کرے۔

چھٹے روز تک ہوا موافق رہی اور جہاز ایک اور جزیرے تک پہنچا جو رقبے اور سطح سمندر سے بلندی کے اعتبار سے جزیرہ سنٹلین جیسا تھا؛ لیکن وہاں کھاری پانی کے سوا کوئی اور چشمہ نہیں ہے اور وہاں کی زمین یکسر سیاہ و سفید پتھروں پر مشتمل ہے اور وہاں کسی قسم کی جڑی بوٹیاں بھی نظر نہیں آتیں۔

معلوم ہوا کہ یہ آبی جانوروں [کچھوں] کا مسکن ہے جہاں وہ انڈے دیتے ہیں اور بچے پیدا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ اس کی رحمت عامہ پر قربان جاؤں کہ ان جانداروں کی خاطر آب شیریں کو پردہ حجاب میں رکھ دیا تا کہ انسان یہاں آکر آباد نہ ہو جائیں اور ان حیوانات کے امور میں خلل اندازی نہ کریں۔ دانا کا فعل دانائی سے خالی نہیں ہوتا۔

ہوا کے بغیر بھی مذکورہ جزیرے کی چاروں اطراف سے سمندر کا پانی اس قدر شدید دباؤ کے ساتھ جزیرے پر آتا ہے کہ جہازوں کے لنگروں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور چھوٹی کشتیوں کو تو جھاگ کی مانند پانی میں ملا دیتا ہے۔ لیکن کسی زمانے میں کوئی آزمودہ کار جہاز ران وہاں آیا تھا جس نے اس علاقے کی خوبیوں خامیوں کی جانچ پرکھ کرکے، ایک لکڑی کا علم پہاڑ کی چوٹی پر نصب کر دیا تھا اور جہاز رانوں کی شکارگاہ کا مقام مقرر کر دیا تھا۔ وہ نصب شدہ لکڑی اس بات کی نشاندہی کرتی تھی کہ اس جگہ کا پانی دوسری جگہوں سے کم خطرناک ہے۔ نیز ایک ضابطہ مقرر ہو گیا تھا کہ جو بھی جہاز وہاں آئے، مذکورہ لکڑی کے برابر لنگر انداز ہو اور رات گذارے اور حسب خواہش شکار کرے اور لنگر اٹھانے سے پہلے تمام تفصیلات؛ یعنی اپنا نام، جہاز کا پتہ، کہاں سے آیا، کدھر جا رہا ہے، کتنا شکار کیا، کس کس جہاز کے بارے وہاں لکھا ہوا پایا اور اس میں کیا کچھ لکھا دیکھا، وضاحت سے تحریر کرے اور اسے ایک شیشے کے برتن میں ڈال دے اور برتن کا منہ مضبوطی سے بند کر کے اس لکڑی کے نیچے رکھ دے اور اس کے بعد جہاں کا ارادہ ہو وہاں چلا جائے۔

اس جہاز کے کپتان نے بھی ان تمام ضوابط پر عمل کیا اور ایک رات وہاں قیام کیا اور بڑے کچھوے کا بھرپور شکار کیا۔ اس سے قبل آنے والے جہاز کا شیشے کا برتن ڈھونڈا اور اس کے مضمون سے آگاہی حاصل کی اور صبح کے وقت ضابطے کے مطابق، کاغذ پر تمام معلومات لکھ کر برتن کو مضبوطی سے بند کر کے وہاں رکھ دیا۔ چنانچہ وہ سارا دن انھی کاموں میں اور بڑے کچھوے کے شکار میں گذرا۔ وہ دو منزلہ کشتی جو ملاحوں کے جہاز سے اترنے اور سوار ہونے کی غرض سے اتاری گئی تھی، واپسی کے وقت ہوا کی شدت کے باعث ایک پتھر سے جا ٹکرائی اور اس کے تختے الگ الگ ہو گئے۔ لیکن خیریت گذری کہ سب لوگ سلامت رہے سوائے کچھ شکار کے جانوروں [کچھوں] کے، کہ جن کی موت ابھی نہیں آئی

تھی، وہ شکاریوں کو نصیب نہیں ہوئے۔

مغرب کے قریب وہاں سے جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا لیکن آغاز سفر سے پندرھویں دن کے اختتام تک ہوا کم کم چلی اور دو دو تین تین روز تک ایک ہی جگہ روک دیتی تھی اور کبھی کبھار دائیں بائیں منحرف بھی کر دیتی تھی اور کج رستوں پر ڈال دیتی تھی۔ اسی تکلیف دہ حالت میں، جب ایک رات کے اختتام میں چار پانچ گھڑیاں باقی تھیں، ایک اور جہاز، جس کے اگلے اور پچھلے مستولوں پر شیشے کے فانوس روشن تھے، قریب میں ظاہر ہوا۔ اسی وقت کپتان کو بستر سے اٹھایا گیا اور صورت حال سے خبردار کیا گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سمیت کمروں سے باہر آئے اور اس صورت حال کو دیکھ کر، جو فاسد ارادوں کی غماز معلوم ہوتی تھی، از حد پریشان اور کمال مشوش ہوئے۔ لیکن کپتان ایک جہاں دیدہ اور کارآزمودہ شخص تھا، جس نے متعدد سفروں کی خاک چھانی ہوئی تھی اور سرد و گرم زمانہ سے آگاہ تھا۔ اس نے حوصلہ نہ ہارا اور بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکم دیا کہ اسی طرح بجھے فانوس روشن کر کے جہاز کے مستولوں پر آویزاں کر دیے جائیں۔ اور توپوں کو سیدھا کر کے تیار کریں اور گولے بھی برسائے جائیں اور آخرکار جب توپ کا اضراب اپنی جگہ سے نکالا جائے تو دوبارہ اسے تیار حالت میں رکھا جائے تا کہ بوقت ضرورت قابل استعمال ہو۔ جہاز کے کارکنوں نے بھی حکم کی بجا آوری میں کوئی تاخیر نہیں کی اور فوراً عمل درآمد کیا۔ گویا ادھر سے فرمان صادر ہوا تھا اور ادھر اس پر عمل درآمد ہو گیا۔ جہاز اس قدر نزدیک آ گیا تھا کہ ہوا دونوں طرف سے آواز کو پہنچا سکتی تھی۔ پہلے مکالمہ شروع ہوا۔ اس جہاز کے نام و نشان کی بابت جو دریافت کیا گیا تو اس کا سیدھا جواب نہ ملا۔ اس جہاز کے لوگوں نے اپنی کوئی معقول بات نہیں کی جس سے تسلی حاصل ہوتی۔ رات کے تیسرے پہر تک جہاز کے چھوٹے بڑے سبھی تشویش و تفکر میں مبتلا رہے اور پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ مذکورہ جہاز بھی سائے کی مانند تعاقب کر رہا تھا۔ تین بجے صاحبان نے آخرکار فیصلہ کیا اور اتفاق رائے سے ایک چھوٹی کشتی کو جہاز سے اتارا۔ معلم اول کو چند خلاصیوں اور ایک آدمی کے ساتھ، جو یورپ کی ہر زبان سے واقف تھا، اس جہاز اور اہل جہاز کی معلومات کے حصول کے لیے روانہ کیا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو معلوم ہوا کہ یہ ایک جنگی جہاز ہے اور ایک سو تیس توپیں تیار حالت میں اس طرح سے موجود ہیں کہ ایک اشارے پر خالی ہو جائیں گی

اور یہی وجہ ہے اس کے غرور اور تکبر کی اور یہ جہاز ہسپانوی ہے۔ جب یہ بات پتہ چل گئی کہ وہ جہاز اپنے ملک کو رواں دواں ہے اور اس کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہے تو سب خاطر جمع ہوگئے اور سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ مذکورہ جہاز دو روز تک دوربین سے دکھائی دیتا رہا اس کے بعد خدا معلوم کس جانب گیا۔

رسیدہ بود بلایی ولی بخیر گذشت
(کوئی بلا تھی جو خیر سے ٹل گئی۔)

اس طرح کے مکروہات سے پُر ایام کے بعد جو کہ ایک ماہ سے زیادہ عرصے پر مشتمل تھے، بادوباران کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ہوا نے اپنا حق ادا کر دیا۔ باران نا مہربان کے سرد قطرے اہل جہاز تک آنے لگے اور آب حیات نے صورت ممات اختیار کرلی اور حرکت اور توانائی سب کچھ زنجیر میں جکڑ لیا۔ شعر:

مشکلی نیست کہ آسان نشود مرد باید کہ ہراسان نشود
(نہیں کوئی مشکل جو آساں نہ ہو مگر شرط ہے تو ہراساں نہ ہو۔)

خداے کریم کے کرم سے چند روزہ صعوبت سہولت میں بدلی اور ہوا مسلسل چلنے لگی یہاں تک کہ ماہ ربیع الاول کی پہلی اور جون کی تین تاریخ کو شہر انگلن [انگلینڈ] کے پہاڑ نظر آنے لگے، جو کہ ولایت کے شہروں میں سے ایک ہے اور اس کا نام لنن [لندن] ہے اور بادشاہِ نصاریٰ کا دارالحکومت اور ارا کین حکومت کا مرجع ہے اور زمینی رستے کے لحاظ سے سو ولایتی کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ لوگ جو صبح سے دوپہر تک جہاز کے عرشے پر منتظر بیٹھے تھے، اب انھیں یہ پہاڑ دکھائی دینے لگے۔ یہ مژدہ صاحبان کو سنایا گیا اور وہ بھی روزہ داروں کی مانند مؤذن کی اللہ اکبر کی آواز سننے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ خوشی اور شادی کی لہر دوڑ گئی ہر چھوٹے بڑے نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسی وقت صاحبان نے دوربینیں ہاتھ میں لیں اور انتظار کرنے لگے، احقر العباد سردی کی وجہ سے اب تک دبکا پڑا تھا، مگر اب سرور و بہجت سے باہر نکلا اور مسلسل اپنی منزل مقصود کو دیکھتا رہا۔
مذکورہ شہر سے کئی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی پہنچیں جن میں مختلف قسم کی اشیاے خوردنی موجود

تھیں تازہ مچھلیاں اور سبزیاں بیچنے کی غرض سے یہ کشتیاں آئی تھیں۔ وہیں یہ خبر بھی سننے کو ملی کہ ساتھ جہاز جو ہگلی سے سنگلین تک ہمیں لایا تھا وہ بھی گذشتہ روز پچاس کروہ کے فاصلے پر موجود بندرگاہ تک پہنچ چکا ہے۔ خداوند نعمت کے لیے یہ خبر بھی مسرت بر مسرت تھی۔ کمال عزت و وقار سے جہاز سے نزول فرمایا اور ارادہ عالیہ یہ ٹھہرا کہ ہمارے جیسے دامن گیران سرکار کو وہیں چھوڑ کر خود تنہا خشکی کے رستے شہر ولایت کو تشریف لے جائیں۔ لہٰذا اسی مبارک روز جہاز کے کپتان کو بندہ کی خبر گیری کے لیے تاکید کے ساتھ فرامین جاری کیے اور خود ایک چھوٹی کشتی کی رونق افزائی کا باعث بنے اور تشریف لے گئے۔

قدیم الایام سے کمپنی سرکار کا یہ دستور اور قانون مقرر تھا کہ جو جہاز بھی دوسرے ممالک یا بندرگاہوں سے لوٹ کر آئے، وہ تمام نوشتہ جات جو کہ خطوط پر مشتمل ہوتے ہیں وہاں سے ولایت روانہ کرے۔ لہٰذا معلمان میں سے ایک شخص، بندرگاہ چین کی کوٹھی کے صاحبان کے خطوط کے ہمراہ، خداوند نعمت کے ساتھ چلا گیا۔

جہاز وہاں سے مزید آگے بڑھا اور تین چار روز کے بعد مذکورہ بندرگاہ پر پہنچا۔ ساحل سمندر بائیں جانب سے متصل تھا اور [میں] سبزہ وگل کی دید سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اگلے پانچ چھے روز بھی باوجود کم پانی کے، جس نے جہاز کا چلنا مشکل بنا دیا تھا، فضل الٰہی سے گذر گئے۔ وہاں اولچ [Woolwich][۳۳] کے پُر رونق اور پرمسرت شہر کے مقام پر ایک اور چھوٹا سا دریا ہے جس کا عرض دریاے کلکتہ سے کمتر ہے، وہاں بادشاہ کے حکم سے جنگی جہاز بنائے جاتے اور ہر طرح کی توپوں کا اضراب عمل میں آتا ہے۔ شہر ولایت [لندن] سے اس کا فاصلہ تقریباً دس میل ہے۔ جہاز وہیں پر لنگر انداز ہوا۔

جہاز کا کپتان اور معلم اول صبح جہاز سے اترے اور اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس شہر اور دیگر علاقوں کے لوگ، جن میں مرد و زن سبھی شامل تھے، جوق درجوق جہاز کے اوپر آ رہے تھے اور خرید و فروخت میں مشغول تھے۔ اکثر اپنے بیوی بچوں سے مل کر سفر کی تکان دور کر رہے تھے۔ احقر العباد خداوند نعمت کی جانب سے طلب نامے کا منتظر تھا۔ چار روز بعد فدوی کو یاد فرمایا اور ایک کشتی مع دو ملاح بھیجی۔ احقر نے عالی مقام کے حکم کے مطابق اپنے اموال و اسباب صندوقوں میں مقفل کر کے جہاز

میں رکھ دیے اور ظہر کے قریب سرکار کے خانساماں اور دو خدمت گزاروں کے ہمراہ سوار ہوگیا۔ رستے میں جہاں تک آنکھ دیکھ سکتی تھی، قدرت کے کرشمے نظر آتے تھے۔ دریا کے دونوں کناروں پر بلند و بالا عمارات کا لامتناہی سلسلہ تھا کہ نہ اس کا شمار کیا جا سکے اور نہ اس کے سبزہ و طراوت اور گلوں کی نزاکت کا بیان ہو سکے۔ شعر:

بلبل کہ بہ گل در نگر مست شود سررشتہ اختیارش از دست شود

(جب بلبل پھول پہ نظر ڈالے تو مست ہو جاتا ہے اور اختیار اس کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔)

گروہ در گروہ جہاز اس کثرت سے کھڑے تھے کہ دریا کا پانی کمتر دکھائی دیتا اور گننے سے اعداد و شمار عاجز۔ چونکہ ولایت کے حدود اربعہ اور اس کے اطراف و اکناف سے سبھی واقف ہیں اس لیے اس کا ذکر غیر ضروری جانتے ہوئے شہر ولایت میں پہنچنے کا حال پیش خدمت ہے۔ اس بات کے پیش نظر، کہ اس مملکت سے جانے کے بعد بھی ایک یادگار رہے۔ دانایان کامل عصر کے حضور، جو کہ انواع و اقسام کی کتب کے مطالعہ کے علاوہ کئی طرح کے افراد سے سروکار بھی رکھتے ہیں، قدرت ہائے پروردگار کی بابت جب استفسار کیا جائے تو جواب کافی و وافی عنایت فرماتے ہیں۔ یقیناً اس ضائع روزگار کی محنت ان عالی قدر بزرگوں کی بارگاہ میں آخر شرف یاب ہوگی۔ قلم کے تیز رفتار گھوڑے کو میدانِ صفحات میں تیز تر دوڑاتے ہوئے ذرا اس علاقے کے راہ و رسم و آئین کا ذکر کرتے ہوئے لگام کو کھینچتا ہوں۔

خدا کی مدد و منشا سے اس کھاری [پانی والے] سمندر کا لمبا سفر چھے ماہ اور سولہ دنوں میں طے ہوا۔ پھر میں ولایت کی مغرب کی جانب واقع ساحل پہنچا جو کہ پل اول [34] سے متصل ہے اور خدا تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے کشتی سے اترا۔ اس بے ہنر کو ایک گھوڑے والی بگھی پر سوار کیا گیا اور مسٹر ولیم [William] کی حویلی واقع در محلہ برواسٹریٹ [Broad Street/ Brewer Street] [35] جو کہ ہمارکت [Hay market] [36] سے پاؤ کروہ کے فاصلے پر واقع تھی، اتارا۔ یہ مقام اس نحیف الخلقت کے لیے تعین و تجویز کیا گیا تھا۔ ساعتِ ورود پر اس شہر کے جو قوانین معلوم ہوئے وہ یہ تھے کہ ہر شخص نے اپنے گھر کے صدر دروازے پر ایک آہنی حلقہ میخ کے ذریعے نصب کر رکھا ہے اور لوگ شب و روز

گھروں کو بند رکھتے ہیں۔ اگر کسی نے کسی کے گھر جانا ہو تو اس حلقے کو دروازے پر مارتا ہے اور پھر صاحب خانہ اپنے کسی نوکر کے ہمراہ آتا اور دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اس طرح میں بھی جب مذکورہ گھر پہنچا تو دروازے کو حلقے سے بجایا۔ خاتون خانہ ایک شمع کے ساتھ باہر آئیں اور احقر العباد کے رستے پر روشنی کرتے ہوئے گھر کی تیسری منزل پر لے گئیں اور نشست گاہ، خواب گاہ اور سامان رکھنے کی جگہ دکھائی۔ بعد میں صاحب خانہ بھی پہنچ گیا اور لطف و مدارات سے پیش آیا اور آخر کار رات کے کھانے کی بابت پوچھا۔ اس وقت تک تقریباً نو بج چکے تھے۔ لہٰذا اپنے خادموں سے گوشت، مچھلی اور اس طرح کی غذا تیار کروانے سے معذرت کی اور میں نے نان و مسکہ پر ہی قناعت کی اور آرام سے سو گیا۔ دو روز کے بعد خداوند نعمت اپنے برادر بزرگ کے ہمراہ تشریف لائے اور صاحب خانہ سے بندہ نوازی کی بابت دریافت کیا۔

احقر الناس جب وارد شہر ہوا تو وہاں کسی سے کوئی آشنائی نہ تھی۔ حواس انسانی انتشار و ویرانی کا شکار ہو گئے۔ سات آٹھ روز بعد جب طبیعت ذرا مجتمع ہوئی تو اپنے مکان سے باہر آیا اور یوں رسم نوکری ادا کرتے ہوئے آقا کو سلام کرتا اور کبھی کبھار فارسی نوشتہ جات جو کہ بندرگاہ سورت اور دیگر ممالک سے کمپنی سرکار کو آتے تھے ان کے مضمون سے، جب بھی خداوند نعمت کو ضرورت پیش آتی، آگاہ کیا کرتا۔ کوچہ گردی اس خاکسار کا شعار نہیں لہٰذا اس کام کی طرف دھیان نہیں جاتا تھا اور شہر و بازار کو محض دیکھنے کی غرض سے نہیں جاتا تھا۔ نہ ہی ایسا ممکن تھا کہ جس طرف جاؤں وہاں سے واپس اپنے مکان تک آسکوں کیوں کہ شہر کا طول و عرض آٹھ ولایتی کروہ سے کم نہ ہوگا اور تمام چھوٹے بڑے لوگوں کی حویلیاں، پانچ منزلہ اور بالکل ایک جیسی شکل میں بنائی گئی تھیں اور عقل ان کی پہچان سے عاجز آجاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ بندے کو محلے، صاحب خانہ کا نام اور نمبر وغیرہ ٹھیک سے معلوم ہو جس سے فرق ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک مستطیل، مربع یا ہشت پہلو، خوبصورت کانسی کی تختی پر، جیسے کہ مساجد و مقابر کی دیواروں پر مکتوب ہوتا ہے، تحریر کیا جاتا ہے اور گھر کے دروازے کے اوپر لگا دیا جاتا ہے۔ جو شخص بھی اسے پڑھ سکے صرف اسے ہی اس گھر کا پتہ چل سکے گا بصورت دیگر یہ ممکن نہیں۔ وہاں کے باسی بھی اسی طریقے سے ایک دوسرے کے گھروں کو پہچانتے اور جانتے ہیں۔ احقر نے جب

لوگوں کی زبانی شہر کی کیفیت جانی اور خداوندنعمت نے مکرر سیر کی اجازت مرحمت کی تو یہ شعر بار بار ذہن میں آتا تھا۔

در ہیچ زمین نیست کہ فیضی نبود فرش　　چون پرتوی خورشید بہ ہر جا گذری کن

(کوئی مقام فیض سے خالی نہیں،نورِخورشید کی طرح ہرطرف جاؤ۔)

فرصت ملنے پر مسٹر وِلیم کو اپنے ساتھ لے جاتا اور دن کے وقت بوستانِ دل کشا اور گلستانِ روح افزا کی سیر سے لطف اندوز ہوتا جہاں عجیب وغریب تصاویر اور تماشے دیکھنے کو ملتے۔ راتوں کو عشرت کدوں میں رقص دیکھتا۔ ایک روز طبع بشری کے تقاضوں کے مطابق، دیکھنے کی غرض سے پانچ چھے ولایتی کروہ پیدل طے کرتا ہوا شہر سے باہر نکل گیا۔ واپسی پر قبل الذکر [یعنی مسٹر ولیم] کے ہمراہ ایک جگہ ذرا رکا اور اپنے احوال پر ایک نگاہ ڈالی کہ آج زیادہ سیر کی وجہ سے تھکاوٹ کا احساس ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس سے کہا کہ تم شفقت، مہربانی اور مسافر نوازی کے تقاضے نبھاتے ہوئے اتنا پیدل چلے ہو، یقیناً اتنی مسافت نے تھکا دیا ہوگا اگر اجازت ہو تو اپنے آدمی کو بھیج کر ایک عدد کوچ [بگھی] منگوالیں اور سوار ہو جائیں۔ کہنے لگا کہ تھکاوٹ کی ہرگز کوئی بات نہیں اور جو لذت پیدل چلنے میں ہے وہ سواری میں نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ چائے اور قہوہ کا وقت ہوگیا ہے اور پیاس بھی لگ رہی ہے۔ میری خواہش ہے کہ کہیں بیٹھ کر قہوہ اور چائے نوش جاں کروں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ کر جاؤں۔ احقر نے اس ذرا سے اختلافِ رائے کو مناسبت سمجھتے ہوئے اس کی پیروی کو قبول کیا اور ایک قہوہ خانے [کافی ہاؤس] میں وارد ہوئے۔

دیکھا کہ قہوہ خانے کے مالک نے لباس فاخرہ زیب تن کیا ہوا ہے اور چند دوسرے لوگ بھی موجود ہیں جن سے وہ گپ شپ کر رہا ہے۔ ہمارے پہنچنے پر اس کا نوکر دو کرسیاں لایا اور قہوہ، چائے، نان، مکھن، مصری، دودھ اور گرم پانی ایک خوبصورت برتن میں بڑے سلیقے سے رکھے ہوئے، پیش کیے۔ مذکورہ مسٹر [یعنی قہوہ فروش] اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

میں اس بات کی کھوج میں تھا کہ اس شخص کی حیثیت ایک معمولی قہوہ خانے کے مالک سے زیادہ نہیں ہے لیکن یہ عمدہ سازو سامان [اور یہ ٹھاٹ] کیسا؟ یہ آدمی کرتا کیا ہے؟ اس کا حال احوال

جاننے کی خواہش تھی اور خیال یہ تھا کہ آج کی اتنی زحمت اور مسافت کا یہی صلہ کافی ہے۔ آخر کار کچھ قرائن اور کچھ وہاں موجود لوگوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ ولایت اور اس کے شہر میں مختلف درجے کے کئی قہوہ خانے ملتے ہیں اور وہاں رہنے اور آنے والوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام و حیثیت کے مطابق قہوہ فروشوں کے پاس جاتا اور مجلس آرائی کرتا ہے۔ صاحب خانہ [یعنی قہوہ فروش] قہوہ نوشی کے اسباب مہیا کرتا ہے اور وہاں ہر قسم کی گفتگو ہوتی ہے۔ وہاں آنے والے افراد شہر و بازار شارع، کوچہ، دیہات اور بندرگاہوں، علاقوں اور ممالک کی بابت جو بھی جانتے ہیں، یا سن رکھا ہے، مجلس میں بیان کرتے ہیں اور قہوہ خانہ کا مالک ان کی باتوں کو ضبط تحریر میں لاتا ہے اور طابع کے حوالے کر دیتا ہے نیز جاتے ہوئے کھانے پینے کی چیزوں کے مہنگے دام بھی وصول کرتا ہے۔

شب و روز میں شہر و دیار سے اس طرح کی جو بھی خبریں ملتی ہیں انھیں مخبر کے نام، تاریخ، روز اور وقت کے ذکر کے ساتھ سفید ملائم کاغذ پر تحریر کرتا ہے اور مذکورہ اخبار بادشاہ کے مصاحبوں، اردگرد کی شاہراہوں پر واقع گاڑیوں کے اڈوں اور علاقے کے ان لوگوں کو جن سے طے کر رکھا ہے، نیز اس ضلع کے دیگر مقامات کے قہوہ فروشوں کو، ہر روز صبح سویرے بھیج دیتا ہے۔ اور اس کے صلے میں ہفتہ وار یا ماہانہ بنیادوں پر مقرر نقدی وصول کرلیتا ہے، اس طرح اس کی گذر بسر عمدگی سے ہوتی ہے۔ اس طرح ہر روز ایک دو اخبار اس قہوہ خانے سے، جو دارالحکومت کا بہترین قہوہ خانہ ہے، خداوندنعمت کی خدمت میں بھی پہنچتے تھے اور آپ روزمرہ کی خبریں ملاحظہ فرماتے تھے۔ بلند مرتبہ صاحبان بھی یوں ہی قہوہ فروشوں کے گھر جاتے ہیں اور پوچ بازاریوں کی طرح دوسروں کے راز افشا ہوتے دیکھتے ہیں اور غیبت جیسے مکروہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں حال آنکہ الغیبۃ اشد من الزنا۔[۳۷] اس پر زیادہ برہم ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ اس جگہ کا طلسم ہے یا پھر حکم حاکم یہی ہے کہ اپنے دیکھے اور سنے کا اظہار کرنے میں بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ شہر ولایت کی اخبار نویسی کا یہی طریقہ ہے اور یوں ہی خاص و عام خبریں سنتے ہیں۔

شہر کے طول و عرض کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ اس کی تمام گلیوں اور کوچوں کو پتھر سے بنایا گیا ہے اور حویلیوں کے دائیں بائیں زینوں کی مانند نیچے چوڑے رستے ہیں جو کہ شارع کے ساتھ ساتھ

ہیں یہ اس لیے کہ پیدل چلنے والوں کو سواری کی جانب سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ہر رہگذر کی دونوں جانب دس بارہ ہاتھ کے فاصلے پر شیشے کے فانوس حکام کے حکم سے سرِ شام ہی روشن کر دیے جاتے ہیں اور رات کے چار بجے تک باغات اور آبادی میں روشنی کی بہار چھائی رہتی ہے۔ امیر و غریب سب کے لیے خواہ چاند کی چاندنی ہو خواہ تاریک رات، شمعیں روشن رہتی ہیں اور کسی گذرنے والے کو اپنی مشعل کی حاجت نہیں ہوتی۔

اور پُل اول کی حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دریا شہر کے بیچ سے گذرتا ہے لہٰذا لوگوں کی آمدورفت کے لیے تین مزین پُل[۳۸] بنا دیے گئے ہیں۔ ان کے محرابی دروازوں اور دونوں اطراف سے آنے والی روشنی رہ نوردوں اور پژمردہ دلوں کی آسائش و رفعِ کدورت کا کام کرتی ہے۔ حکمت لقمانی کو بروئے کار لاتے ہوئے لکڑی کے پہیے [چرخیاں] نصب کر دیے گئے ہیں جو لہروں کی کشش اور جزرومد کی وجہ سے دن رات گردش میں رہتے ہیں۔ یوں دریا کا پانی زیرِ زمین نالیوں کے ذریعے، شہر کے ہر گھر میں پہنچایا جاتا ہے اور پانی کھینچنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

جتنی تعداد میں ضلع بنگالہ میں گائیں پائی جاتی ہیں اس سے زیادہ یہاں گھوڑے ہیں اور اس قدر خوبصورت کہ سامان ڈھونے والے گھوڑے بھی امرا کی شاندار سواری بن سکتے ہیں۔ شہر کی دونوں جانب اکثر مقامات پر دکانیں ہیں جو ہر قسم کی اعلیٰ اشیا سے اس قدر آراستہ ہیں کہ آنکھیں انھیں دیکھنے سے کسی طور سیر نہیں ہوتیں۔

وہاں تقریباً دو مہینے یادِ خدا میں گذارے تھے کہ خداوندِ نعمت نے سیرِ دیہات کا ارادہ کیا۔ ماہ جولائی کے اواخر میں، اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ، شہرِ ولایت کے جنوب میں سو میل پر واقع جگہ بارتھ[۳۹] تشریف لے گئے اور سات آٹھ دنوں میں حکم نامۂ واجب الاطاعت کہ جس میں اس نوکری پیشہ کی طلبی کا حکم تھا، وصول ہوا اور یہ ناکردہ کار، سرکار کے خانساماں کے ساتھ شب کے اول پہر میں کوچ [بگھی] پر سوار ہوا اور سفر کا اختیار کوچوان کے سپرد کیا۔ شعر:

رشتہ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(دوست نے دوستی کی زنجیر گردن میں ڈالی، اب جہاں جی چاہے لے چلے۔)

رات بستر استراحت میسر نہ ہو سکا اور معمول کے مطابق سو نہ پایا بلکہ نشست پر ہی رات گذارنا پڑی۔ کوچوان نے دو تین مقامات پر گھوڑے بدلے۔ دن میں چار گھنٹے باقی تھے کہ براستہ ایلفار[۴۰] مذکورہ مقام پر پہنچ گئے۔ خداوندِ نعمت قائم الاقبال و دائم الدولت کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ خداوندِ نعمت اپنے ماتحتوں کے ساتھ بنفسِ نفیس ایک حویلی میں تشریف فرما تھے۔ بندے کو رہائش کے لیے چوتھی منزل پر ایک الگ مکان عنایت فرمایا۔

اس کے بعد خداوندِ نعمت کے منجھلے بھائی جو ترکستان کی کوٹھی[۴۱] میں تعینات رہے تھے اور وہاں تمام امور کے جزو کل کی انجام دہی کی ذمہ داری آپ پر تھی، واپس تشریف لائے اور مذکورہ حویلی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے بھائی کے ہم نوالہ ٹھہرے۔ وہ عربی زبان میں گفتگو پر قدرت رکھتے تھے اور بندہ بھی عربی سمجھنے سے قاصر نہیں تھا۔ بہت خوش ہوئے اور اکثر اوقات توجہ سے نوازتے اور مکالمہ فرماتے۔ عربی زبان کا جواب اچھی عربی میں دینے پر خوش ہوتے اور جب بھی آپ سے گفتگو ہوتی موجب مباہاتِ خداوندِ نعمت قرار پاتی۔ پوری توجہ کرنے پر فارسی گفتگو بھی سمجھ لیتے۔

خداوندِ نعمت کی رضا سے وہاں کی سیر و سیاحت کا بھی موقع ملا اور آنکھوں کو لطف حاصل ہوا۔ اس سبزہ زار کی زیارت باعثِ طراوتِ نظارت تھی اور وطن کی دوری کا زخم کھائے ہوئے، دردِ فراق کے ستائے ہوئے اور فکر و الم کے مارے ہوئے دلوں کی چارہ گری کے لیے مرہم اور دلداری کا سامان بطریقِ احسن فراہم تھا۔ بلا مبالغہ یہ تصور کیجیے کہ ولایت کے پُرمسرت خطے میں دل فریب اور نازک اندام حسینائیں محوِ خرام رہتی ہیں اور یہ سیمیں بدن، عطر بیز گلہائے صحرا ہیں کہ جو اس وادیٔ عشرت کے مسافروں کو رہ و رسمِ منزل سے آشنا کرتے اور ان کے لیے سرمایۂ نشاط بنتے ہیں۔

لالہ خود رو بہ صحرا داشتہ   زان جگر داغی بہ سوا کاشتہ

(صحرا میں لالۂ خودرو ہے اور اس کی وجہ سے باقی ہر شے پریشان، بلبلیں مست اور گل مدہوش حسن جو نزاکت ہے یہاں وہ اور کہاں۔)

خاص طور پر گرم پانی کا وہ چشمہ جو حوضِ سیکا کُند موتگیر[۴۲] کے مانند آبادی کے بیچ میں واقع ہے، عجیب لطافت کا حامل ہے اور غسل کے لیے انتہائی مناسب۔ اس پانی کے گرم ہونے کی وجہ کے

بارے میں جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کا منبع گندھک کی کان ہے۔

امور بادشاہی اور امورِ مملکت جو کہ اخذ و جبر اور تعذیر وتشہیر رعایا سے عبارت ہیں، ان کی بجا آوری کا دستور یہ ہے کہ شاہی وزرا کے علاوہ امرائے عالیشان اور زمینداروں کے وکیل بھی بادشاہ کے حضور شرفِ باریابی پاتے ہیں اور اگر کبھی شاہی اخراجات میں خسارہ درپیش ہو اور مقررہ زرِ سالانہ سے زیادہ رقم کی ضرورت پڑ جائے تو انھی امرا اور وکلا حضرات کو حکمِ عالی صادر ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں فریق لفظاً اور معناً اس حکم کی اہمیت وضرورت سے متفق ہو جاتے ہیں اور ضروری رقوم کی وصولی کا شاہی فرمان منظور کر لیتے ہیں تو مطلوبہ زر زمینداروں سے وصول کر کے خزانہ میں جمع کروا دیتے ہیں۔ یوں اس زور زبردستی کا اطلاق نہیں کرنا پڑتا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور نہ ہی مشاورت اور نمائندگی کے بغیر چھین جھپٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ملک کی رعایا زمینداروں کے آگے مجبور ومقہور نہیں ہے اور بادشاہ کی عدالت میں ہر ایک خود اپنے معاملے میں خود مختار اور دوسروں کی بابت بے اختیار ہے۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے کہ بادشاہ وزیر سے، زمیندار رعایا سے اور رعایا عدالت سے ڈرتی ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے سب ایک حساب کتاب میں رہتے ہیں اور کوئی بھی کسی کو نقصان یا تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

احقر العباد نے اس نادر مقام پر کوئی چار ماہ سکونت اختیار کی، اور لیل ونہار اس دیار کے طور اطوار کو سمجھنے میں صرف کیے اور انھیں اپنی زندگی کا ماحصل جانا۔ تماشائے سبزہ زار اور سیرِ گلزار میں وقت گذرانی کرتا تھا یہاں تک کہ افواجِ سرما کی سفاک یلغار کی خبر کوچہ وبازار میں عام ہوئی۔ موسمِ سرما کی انتقام گیری کا سلسلہ دراز ہوا اور بہار کے ایک ایک پتے پر ظلم شروع ہوا۔ سردی نے ناموسِ اشجار کی پردہ دری شروع کی اور انھیں برہنہ کر دیا۔ لوگوں نے آگ کی پناہ لی اور ہم جیسے نواردوں کے لیے یہ مشکل کی گھڑی ثابت ہوئی۔ برف وبرودت نے حالتِ اضطرار میں مبتلا کر دیا اور وطن سے دوری نے بے قرار کر دیا۔ یہاں تک کہ بنگالہ کی ہوائے خوشگوار یاد آنے لگی اور حبِ وطن کو رضائے پروردگار جانا۔

اپنے آقا کی خدمت میں گزارش کی کہ رخصت عنایت فرمائیں اور مارچ کی پانچ کو، جب ۱۷۷۳ء سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال کو ہو چکے تھے، بلادِ ولایت سے فرار اختیار کیا۔ اسی سال اور مہینے کی سات تاریخ کو پوسمت [Portsmouth] [۴۳] کے مقام پر پہنچا جو وہاں سے ایک سو

پچاس ولایتی کروہ کے فاصلے پر، سمندر کے کنارے واقع ہے۔

جہاز کے کپتان کا نام مسٹر بیلی تھا اور وہ اس پیشے میں وسیع تجربے اور شہرت کے حامل تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کب جہاز کا لنگر اٹھایا جاتا ہے۔ ربِ مہربان کے فضل سے تیرہ روز بعد یہ آرزو پوری ہوگئی اور خدا تعالیٰ کے کمالِ فضل سے اسی ماہ کی بیس تاریخ کو جہاز پر سوار ہوا۔ اور یوں اس آرزو کی برآوری کی امید پیدا ہوئی کہ اپنے والد بزرگوار اور دیگر عالی قدر بزرگوں کی ملازمت وخدمت کرسکوں۔

شعر:

ز درگہ کرمت روی نا امیدی نیست　　کجا رود مگس ز کارگاہ حلوائی

(تیری درگاہِ کرم سے ناامید نہیں ہوں، مکھی حلوائی کی دکان کو کیسے چھوڑے۔)

خدا کا شکر کہ آخر کار ہوائے موافق کے پرندوں نے اپنے پر وبال کھولے اور تھوڑے ہی عرصے میں جزیرہ پرتگال میں پہنچا دیا۔ وہاں کے بارے میں پہاڑوں کی بلندی کے سوا اور کچھ کہنا ممکن نہیں، چنانچہ یہ اشعار وارد ہوئے جو کہ اس خطۂ زمین کے احوال کو بیان کرتے ہیں۔

ندیدم چنان سر کشیدہ جبال　　کہ حیران کند عقل نادر خیال
چراگاہ ابر و لبی سر بلند　　دگر سرکشی راندارد پسند
چنان گرم دیدم دران آفتاب　　کہ از آتشین خانہ گشتہ یاب
سیہ رنگ مردم ہزاران ہزار　　کہ آوردہ ملک حبش را بکار
زنان اند در سر ندارد موی　　دگر چند گویم ز پوشاک و خوئی

(نہ دیکھے کبھی ایسے بالا جبال　　کرے عقل کو خیرہ ان کا خیال
چراگاہِ ابر و بہت سربلند　　جو کہ سرکشی کو کرے ناپسند
کچھ ایسی تمازت تھی سورج تلے　　کہ انگیٹھی بھی اس میں ٹھنڈی لگے
سیہ رنگ خلقت ہزاروں ہزار　　کہ جیسے ہو ملکِ حبش یہ دیار
خواتیں کے سر پر نہیں بال کوئی　　بتاؤں میں کیا ان کی پوشاک وخوئی)

پہاڑوں کی اس بلندی اور آفتاب کی ایسی حدت کے باوجود اس پہاڑ کی سیر میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ ایک روز بادلوں کے لشکر دیکھے کہ سمندر کی طرف آکر پانی کھینچ لینے اور اپنے اندر سمو لینے کے

درپے تھے ۔یوں لگتا تھا جیسے راستے میں ایک دیوار بن گئی ہو۔خدانخواستہ اگر جہاز تند ہواؤں یا قسمت کی خرابی سے اس دیوار سے ٹکرا جاتا تو تباہ ہونے سے نہیں بچ سکتا تھا۔مگر کپتان گویا اس وقوعے سے پہلے ہی ہوشیار ہوگیا تھا کیونکہ اس نے جہاز کو ہوا کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا اور مسلسل توپوں سے گولہ باری شروع کر دی۔ جیسے ہی توپ کے گولے اسے لگتے تو اپنی جان کے خطرے کی وجہ سے آسمان کی طرف دوڑتا ۔اور پانی کا بند بھی سحاب سے اوپر اٹھتا ۔

فضل خدا سے آب و سحاب کی یہ کشمکش دیکھتے ہوئے دوسرے جزیرے پر پہنچے ۔ اس جزیرے کا نام جوہانہ(Johanna Island)[۴۴] تھا۔وہاں کے باسیوں کو بھی دیکھنے کا موقع ملا جو اچھے ہی ہم مذہب تھے اور اس پر خدا کا شکرانہ ادا کیا۔اس دوران گرانٹ (Grant)[۴۵] صاحب کی رفاقت نصیب ہوئی جن کی ذات والا صفات مجموعۂ اخلاقِ حمیدہ ہے۔آپ کے ہمراہ ولایت کے جہاز سے اترا اوربیس روز وہاں قیام و آرام کیا۔

وہاں آب و ہوا موافق تھی اس لیے چندے فراغت نصیب ہوئی۔مگر یادِ وطن ایسی ناخن زن تھی کہ کسی پریشانی اور تکلیف کے بغیر بھی سکون اور سکھ نصیب نہیں ہو رہا تھا۔خوبصورت پہاڑ اور ناریل کے خوبصورت باغات جو کہ دامن کوہ سے گریبان کوہ تک برابر دکھائی دیتے تھے، خوش کن منظر پیش کرتے تھے اورفلوس کا شکار، جو آبی جانداروں کی ایک نوع ہے، اورکہیں میسر نہ آسکتا تھا مگر ان تمام اسباب فراغت اورتفریح کے باوجود سرور و کیف میسر نہیں تھا۔شعر:

نتوان گشودنش بہ نسیم ریاض خلد آن دل کہ در فراق عزیزان گرفتہ است

(نسیم بہشت سے بھی فراق عزیزان کے سبب پیدا ہونے والی دل گرفتگی کم نہیں ہوتی ۔)

وہاں سے ولایت کے جہاز کو ترک کیا اور فرنکیس[۴۶] نام کے ایک چھوٹے خرمُہرہ فروش[۴۷] جہاز میں سوار ہوئے ۔فضل و کرمِ ایزدی سے دو سال گذرنے کے بعد اسی دن اور اسی ماہ کلکتہ آن پہنچے جس دن اور مہینے کو کلکتہ سے ولایت روانہ ہوئے تھے۔ کچھ دیر لین دین سے فراغت پانے کے بعد بزرگوں کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کو روانہ ہوگیا۔

منت خدای را کہ بمقصود در رسید ورنہ من ضعیف کجا این سفر کجا

(شکر خدا کہ منزلِ مقصود ہوئی نصیب ورنہ کہاں ضعیف اور ایسا سفر کہاں۔)

تمام شد تاریخ جدید

راقمہ غلام حسن

ساکن بندر ہوگلی

حواشی و حوالہ جات:

۱۔ سینٹ ہیلنا (Saint Helena): بحر اوقیانوس کا ایک جزیرہ جس پر حکومت کرنے کا اختیار ۱۶۵۷ء میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوا اور یہ جزیرہ برطانیہ کی پہلی نوآبادی کے طور پر آباد ہوا۔

۲۔ قانون نشی گری اور اس کے فوائد کے متعلق مفتاح الاصول نامی یہ کتاب غالباً شائع نہیں ہوئی بلکہ قلمی نسخے کی صورت میں ہی پڑھی جاتی رہی۔رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور انڈیا آفس لائبریری میں راقم الحروف کو اس کتاب کا اندراج نہیں ملا اور نہ منشی اسماعیل کی کسی اور تصنیف کا سراغ مل سکا۔

۳۔ تاریخ جدید کا عنوان اسی موقع سے اخذ کیا گیا ہے۔

۴۔ اللہ ہی میرا پروردگار ہے اس پر جو تم کرتے ہو۔سورۃ یوسف: ۱۸

۵۔ اور نہ کسی سائل کو جھڑکیے۔سورۃ الضحیٰ: ۱۰۔

۶۔ بے شک اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔سورۃ التوبہ: ۱۲۰۔

۷۔ آثار تقریباً سیر بھر کا اندازہ ہے۔فرہنگ آصفیہ، ص۱۱۲۔

۸۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام صوبہ بنگال میں رونما ہونے والے خوف ناک قحط کا ذکر ہے جس کا دورانیہ ۱۷۶۹ء سے ۱۷۷۳ء تھا۔ اس قحط میں تقریباً ایک کروڑ افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔اس قحط کا ایک عمومی سبب ایسٹ انڈیا کمپنی کی ناقص انتظامی پالیسیاں تھیں۔تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: رچرڈ میلسن (Richard Melson) "Bengal Famine of 1777"، http://www.cambridgeforecast.org/MIDDLEEAST/BENGAL.html اکتوبر ۲۰۰۶ء تاریخ ملاحظہ: ۲۹ مارچ ۲۰۱۴ء۔

۹۔ موتی جھیل مرشدآباد کا ایک خوبصورت مقام ہے جہاں نواب علی وردی خان کے داماد نوازش محمد خان نے ۱۷۴۰ء میں اپنی محبوب بیوی گھسیٹی بیگم کی رہائش کے لیے ایک محل اور دیگر کئی عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں یہی مقام وارن ہیسٹنگز، سرجان شور اور دیگر کئی اعلیٰ برطانوی افسروں کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔

۱۰۔ ڈیوڈ اینڈرسن David Anderson۔(۱۷۵۰ء۔۱۸۲۵ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک عہدے دار اور بنگال کے پہلے گورنر

جنرل وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings: ۱۷۳۲ء۔ ۱۸۱۸ء) کا معتمد اور قریبی ساتھی تھا۔ میکگل یونی ورسٹی کے شعبۂ آرکائیوز میں ان کے نام راجہ گوبند رام بہادر کے تین خطوط موجود ہیں جن میں ان سے سرکاری ملازمت کے حصول کی استدعا کی گئی ہے۔ ان خطوط کی بنیاد پر لکھے گئے ایک تحقیقی مقالے میں اینڈرسن کے بارے میں مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس مقالے کے مطابق اینڈرسن ۱۱ جولائی ۱۷۶۷ء میں کلرک کی حیثیت سے ہندوستان پہنچا اور اگلے ہی سال سیکرٹری انتخابی کمیٹی کے نائب کے عہدے پر فائز ہو گیا۔ مختلف نوکریاں بدلنے کے بعد ۱۷۷۲ء میں وہ مرشد آباد آ گیا جہاں وہ ریذیڈنٹ (Samuel Middleton) کا نائب مقرر ہو گیا۔ اس حیثیت میں اسے اتنی اہمیت حاصل ہوئی کہ ریذیڈنٹ کی عدم موجودگی میں وہ ریذیڈنٹ کے فرائض بھی سرانجام دیتا رہا۔ دو ہی سال بعد اسے کونسل میں پانچویں اور مزید ایک سال بعد کونسل میں چوتھی پوزیشن حاصل ہو گئی۔ یوں وہ تیزی سے ترقی کے مراحل طے کرتا رہا۔ ریذیڈنٹ کے دربار میں اس کا کام فارسی مترجم کا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے نہ صرف عدالتی امور پر اختیار حاصل تھا بلکہ دولت کمانے کے وسائل پر بھی دسترس تھی، جس کا پرمسرت اور فخریہ اظہار وہ اپنے ذاتی خطوط میں کرتا رہا اور جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین ہندوستانی ملازمتوں کو اپنی خوشحالی اور حصولِ دولت کے لیے کس طرح استعمال کرتے تھے۔ اسی دولت سے ۱۷۸۰ء میں اس نے سکاٹ لینڈ میں بہت وسیع اراضی خریدی۔ اینڈرسن بعد ازاں سندھیا راؤ کے دربار میں بھی ریذیڈنٹ کے طور پر خدمات سرانجام دیتا رہا اور ۱۷۸۵ء میں وارن ہیسٹنگز کے ساتھ ایک ہی جہاز میں برطانیہ واپس گیا۔ اس نے ہندوستان سے جو دولت حاصل کی، اس میں کئی نادر و اہم مخطوطات بھی تھے جنھیں وہ اپنے ساتھ لے گیا اور سکاٹ لینڈ پہنچ کر مخطوطاتِ مشرقیہ کی ۱۱۸ جلدیں ایڈنبرا یونی ورسٹی کو پیش کیں۔ ان مخطوطات کی تفصیل محمد حق کی مرتبہ توضیحی فہرست میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس کا بھائی لیفٹننٹ جیمز اینڈرسن بھی مترجم کے طور پر خدمات سرانجام دیتا رہا۔ دیگر قانونی دستاویزات کے علاوہ اس نے ہدایا کے ترجمہ میں بھی چارلس ہملٹن کی مدد کی تھی جس کا اعتراف موخر الذکر نے کیا ہے۔ اینڈرسن کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیے: ایلن ایم گنتھر (Allen M. Guenther)،

"Seeking Employment in the British Empire: Three Letters from Rajah Gobind Ram Bahadur"،

ttp://digital.library.mcgill.ca/fontanus/pdfs/Fontanus2010_Guenther_pp129-154.pdf

(تاریخ ملاحظہ: ۲۱ مارچ ۲۰۱۴ء، ۱۱:۳۰ بجے صبح)۔ نیز دیکھیے، سی ای بک لینڈ (C.E. Buckland)، Dictionary of Indian Biography (لندن، ۱۹۰۶ء)، ص ۱۳۔

۱۱۔ موجز، سجع اور عاری اسلوبِ نثر کی خصوصیات ہیں۔ موجز سے مراد ہے مختصر، کوتاہ اور تلخیصی بیان۔ سجع کا لفظی مطلب ہے خوش الحان پرندوں کی چہچہاہٹ مگر اصطلاحاً کلام موزون و مقفیٰ کو کہتے ہیں اور عاری سے مراد وہ نثر ہے جو نظم نہ ہو اور نہ ہی مقفیٰ و مسجع ہو۔

۱۲۔ یہاں بڑے صاحب سے مراد غالباً مسٹر الیگزینڈر (Alexander Wynch: ۱۷۲۱ء۔ ۱۷۸۱ء) ہیں جو ۱۷۷۳ء میں مدراس کے گورنر جنرل بنے۔

۱۳۔ John Graham (۱۷۴۱ء۔ ۱۷۷۵ء): ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک اعلیٰ عہدے دار اور وارن ہیسٹنگز کے قریبی ساتھی۔ ۱۷۵۹ء میں کلکتہ پہنچے اور مختلف مناصب پر فائز رہے۔ ۱۷۷۲ء میں بورڈ آف کسٹمز کے صدر تھے۔ وہ سپریم کونسل آف بنگال کے رکن بھی رہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: http://www.jjhc.info/grahamjohn1775.htm۔ (تاریخ ملاحظہ: ۳۰ مارچ پانچ بجے شام)۔

۱۴۔ بنداقتاں کا ذکر کسی مستند لغت یا فرہنگ میں نہیں ملا۔

۱۵۔ دریائے گنگا کے کنارے پر آباد ریاست بہار کا مشہور شہر مونگیر جسے مونگھیر بھی کہتے ہیں۔ مونگیر کا تاریخی قلعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدِ حکومت میں برطانوی فوج کا ٹھکانہ رہا۔

۱۶۔ کلاڈ رسل (Claude Russel) کے بارے میں معلومات سفرنامے کے تعارفی مضمون کے حاشیہ ۳ میں ملاحظہ کیجیے۔

۱۷۔ سائمن ڈگبی نے انھیں Colonel Beech لکھا ہے۔ مسودہ انگریزی ترجمہ نقل مملوکہ راقم الحروف۔

۱۸۔ سائمن ڈگبی نے انھیں Mr. Coxe. لکھا ہے۔ مسودہ انگریزی ترجمہ نقل مملوکہ راقم الحروف۔ ان دونوں حضرات کا مکمل تعارف حاصل نہیں ہو سکا۔

۱۹۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں انگریز صاحبان کی منشی گری کس قدر منافع بخش ملازمت سمجھی جاتی تھی اور جس کسی کو انگریزوں کی ملازمت حاصل ہو جاتی تھی، وہ خود کو کتنا خوش نصیب سمجھتا تھا۔ غالباً اس دور کے تعلیم یافتہ متوسط طبقے کے افراد کے لیے یہی باعزت ذریعۂ روزگار تھا کیوں کہ کمپنی کی ٹیکس وصولی کے بعد ان کے پاس خوش حال زندگی گزارنے کے وسائل محدود تر ہو جاتے تھے۔

۲۰۔ منشی کے ان جملوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی کا تعلق ایک خوش حال گھرانے سے تھا جسے قحطِ بنگال کی بلاؤں نے مفلس اور قلاش بنا دیا تھا۔ منشی کے بیان میں اکثر و بیشتر جو تلخی نظر آتی ہے وہ غالباً اپنی معاشی و معاشرتی حیثیت کے انحطاط اور اپنی بےبسی کے احساس کے باعث ہے۔

۲۱۔ ان منشیوں کے ذمے عموماً دو کام ہوا کرتے تھے۔ ایک تو انگریز صاحبان کو فارسی زبان کی تعلیم و تدریس اور دوسرا ان کے لیے ترجمانی کے فرائض سرانجام دینا اور عرضیوں اور دستاویزات کا ترجمہ کرنا۔ برطانوی لائبریریوں میں محفوظ ان صاحبان کے ذاتی ذخیروں میں ایسے کئی رجسٹر، کاپیاں اور کاغذات محفوظ ہیں جن پر وہ ان منشیوں سے فارسی زبان کے نکات و رموز سیکھتے تھے۔

۲۲۔ شاہ عالم بادشاہ غازی (ح: ۱۷۲۸ء۔ ۱۸۰۶ء)۔ اٹھارویں مغل بادشاہ جو شاہ عالم ثانی کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۷۵۹ء میں تختِ ہندوستان پر متمکن ہوئے۔ ان کی تخت نشینی کا بارھواں سال ۱۷۷۱ء تھا۔

۲۳۔ ڈگبی نے اپنے انگریزی ترجمے میں لکھا ہے کہ منشی نے پیشگی تنخواہ کے طور پر ایک سو روپے وصول کیے لیکن فارسی متن میں سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہونے اور کچھ رقم کلاڈ رسل سے وصول کرنے کا ذکر ہے۔ مسودہ انگریزی ترجمہ نقل مملوکہ راقم الحروف۔

۲۴۔ کھلوا۔

۲۵۔ کروہ یعنی کوس جو چار ہزار گز زمین کی مسافت کے برابر ہے۔ ایک خیال کے مطابق تین ہزار گز کی مسافت کو کروہ کہتے ہیں۔ فرہنگِ آصفیہ، جلد سوم، ص ۴۹۹۔

۲۶۔ ہوگلی کی بندرگاہ، جہاں سے انگلستان جانے والے جہاز روانہ ہوتے تھے۔ کلکتہ میں ہندوستان کی قدیم ترین بندرگاہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۷۰ء میں تعمیر کی تھی، اسی دریا کے کنارے تھی۔

۲۷۔ Cape of Good Hope جنوبی بحر اوقیانوس میں واقع جنوبی افریقی خاکنائے جو راس الامید کے نام سے مشہور

ہے۔اس زمانے میں ہندوستان آنے والے جہاز اسی راستے سے گزرا کرتے تھے۔ یہ راستہ پرتگالیوں کی دریافت تھا اور واسکوڈے گاما بھی اسی راستے سے ہندوستان پہنچا تھا۔

۲۸۔ ولایتی کروہ سے مراد میل ہے۔یعنی تقریباً ۱.۶ کلومیٹر۔

۲۹۔ وجب یعنی بالشت۔

۳۰۔ جنوبی بحر اوقیانوس کا یہ آتش فشانی جزیرہ سینٹ ہیلنا ۱۵۰۲ء میں پرتگالیوں نے دریافت اور آباد کیا تھا۔ ۱۶۵۷ء میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک چارٹر کے تحت یہاں اپنی عملداری قائم کی اور قلعہ اور دیگر عمارتیں تعمیر کیں۔ قلعے کو جیمز فورٹ اور شہر کو جیمز ٹاؤن کا نام دیا گیا۔۱۶۷۳ء میں مختصر عرصے کے لیے ولندیزیوں (ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی) نے زبردستی اس جزیرے پر قبضہ کر لیا لیکن انگریزوں نے جلد ہی کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کر لیا۔تب سے اب تک یہ برطانوی نوآبادی ہے۔۱۷۷۴ء میں یہاں سینٹ جیمز چرچ اور ۱۷۷۶ء میں ایک رصدگاہ تعمیر کی گئی۔ یہ جزیرہ ماحولیاتی حوالے سے تجربات وتحقیقات کا مرکز بھی رہا۔صدیوں تک یہ جزیرہ ایشیا اور افریقہ سے یورپ جانے والے بحری جہازوں کی گذرگاہ رہا۔یہیں سے یورپ جانے اور آنے والے جہاز پانی اور رسد حاصل کرتے تھے۔ برطانیہ نے اس جزیرے کو جلا وطنی کی سزا کے مقام کے طور پر بھی استعمال کیا۔خاص طور پر نپولین کے حوالے سے سینٹ ہیلنا کو بہت شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ نپولین کو ۱۸۱۵ء میں حکومت برطانیہ نے اس جزیرے پر محصور کر دیا اور یہیں ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو اس کی وفات ہوئی۔ نپولین کی خواہش کے برخلاف انگریز گورنر نے اسے سینٹ ہیلنا ہی میں دفن کر دیا لیکن بعد ازاں ۱۸۴۱ء میں اسے فرانس لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔۱۸۳۳ء کے انڈیا ایکٹ کے تحت اس جزیرے پر برطانوی تاج شاہی کی حکومت قائم ہو گئی۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ایک طرف تو دخانی جہازوں کے استعمال اور دوسری طرف بحیرۂ احمر کے راستے کی دریافت کی بدولت اس جزیرے پر بحری جہازوں کا انحصار کم ہو گیا۔ http://en.wikipedia.org/wiki/Saint_Helena تاریخ ملاحظہ: ۲۵ مارچ ۲۰۱۴ء گیارہ بجے شب۔

۳۱۔ کچو اروی کی قسم کا کوئی پودا ہے جسے ڈگی نے Arum Cococasia لکھا ہے۔نیز یہاں ڈگی نے ترجمے میں لکھا ہے کہ صاحبان اسے کھاتے ہیں۔مسودہ انگریزی ترجمہ، نقل مملوکہ راقم الحروف۔

۳۲۔ منشی صاحب نے یہ سنہ غلطی سے درج کر دیا ہے۔سنہ ہجری اور اس سے پہلے درج تواریخ کے مطابق اصل سنہ ۱۷۷۲ء ہے نہ کہ ۱۷۷۶ء۔

۳۳۔ Woolwich۔لندن کا نواحی علاقہ جو اب لندن ہی کی حدود میں شامل ہے۔

۳۴۔ پل اول سے مراد لندن برج ہے۔

۳۵۔ غالباً اس سے مراد براڈ سٹریٹ (Broad Street) لندن ہے جو ان دنوں شہر کی مرکزی شاہراہوں میں سے ایک ہے۔ یہ سڑک ملکہ الزبتھ کے عہد میں بنائی گئی تھی۔ ابتدا ہی سے یہ سڑک تجارتی مقاصد کے لیے استعمال ہوتی تھی اور اس کا بڑا حصہ مارکیٹ یا بازار پر مشتمل تھا۔ساجن ڈگی کے خیال میں دوسرا امکان یہ ہے کہ شاید اس سے منشی کی مراد بروور سٹریٹ (Brewer Street) ہو۔ یہ دونوں سڑکیں سوہو کے اس علاقے میں واقع ہیں جو اٹھارھویں صدی کے اوائل میں تعمیر ہوا۔ انھوں نے اس دور میں اس سڑک کے رہائشی علاقہ ہونے کی تائید میں معاصر ادب کا ایک حوالہ بھی درج کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈگی، مضمون مذکور، ص ۵۷، ۶۲۔

۳۶۔ Hay Market آج بھی لندن کا مشہور ومعروف مرکزی علاقہ ہے۔ یہ مارکیٹ شروع میں مویشیوں کا چارہ اور دیگر زرعی اجناس کی فروخت کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ دیہی علاقوں سے بیل گاڑیوں میں چارہ لاد کر یہاں لایا جاتا اور فروخت کیا جاتا۔ اس فروخت پر ٹیکس عائد نہیں ہوتا تھا۔یہ رواج ولیم سوم (۱۶۷۲۔۱۷۰۲ء) کے عہد تک جاری رہا لیکن ۱۶۹۲ء میں سڑک کی تعمیر کے بعد یہاں فروخت ہونے والی اشیا پر ٹیکس عائد کر دیا گیا۔بعد میں یہ مارکیٹ قحبہ فروشی کا مرکز بھی رہی۔ اسی سڑک پر بہترین تھیٹر اور سینما بھی قائم ہوئے۔

۳۷۔ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت بات ہے۔

۳۸۔ یہ تین پل لندن برج، ویسٹ منسٹر برج اور بلیک فرائز برج ہیں۔ ان میں سے تیسرا پل منشی کی لندن آمد سے صرف دو سال پہلے ۱۷۶۹ء میں مکمل ہوا تھا۔

۳۹۔ برطانیہ کا مشہور شہر باتھ (Bath) جو لندن کے مغرب میں ۹۷ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۴۰۔ باتھ سے لندن کے موجودہ راستے میں ایلخار سے ملتے جلتے نام کا کوئی شہر نظر نہیں آتا۔

۴۱۔ ترکستان سے مراد عثمانی عہد کا ترکی ہے اور کوٹھی سے مراد ہے فیکٹری۔

۴۲۔ سیتا کنڈ نامی یہ حوض بہار کے علاقہ مونگیر میں واقع ہے۔یہاں ایک مندر سے متصل گرم پانی کے چشمے ہیں جو ہندوؤں کے لیے متبرک مقام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۴۳۔ Portsmouth۔برطانیہ کی قدیم ترین بندرگاہ۔

۴۴۔ Johanna Island۔

۴۵۔ گرانٹ کے بارے میں پروفیسر پیٹر مارشل کی تحقیق پہلے بیان کی جا چکی ہے۔مزید معلومات کے لیے دیکھیے: بک لینڈ، کتاب مذکور، ص ۱۷۶۔

۴۶۔ فرانسیسی جہاز۔

۴۷۔ خزبرہ کوڑی یا چھوٹی سیپی کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں بطور سکہ رائج تھی۔ لغات کشوری، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۳۵۔

مآخذ

اسماعیل، منشی۔ تاریخ جدید۔ عکس قلمی نسخہ مملوکہ راقم الحروف۔

ایسٹلے، ٹامس (Thomas Astely)۔ *The New General Collection of Allen, Voyages and Travels Consisting of the Most Esteemed Relations, which have been hitherto published in any language*۔ جلد ۱، حصہ اول۔ لندن، ۱۷۴۳ء۔

بک لینڈ، سی۔ ای۔ (C.E. Buckland)۔ Dictionary of Indian Biography۔ لندن، ۱۹۰۶ء۔

بریلوی، عبادت۔ مرتب۔ سیاحت نامہ۔ لاہور: ادارۂ ادب وتنقید، ۱۹۸۲ء۔

بھرگوا، کے۔ ڈی۔ (K. D. BHARGAVA)۔ *East India House Correspondence VII, 1773-1776*۔ نئی دہلی: ۱۹۷۱ء۔

بین پاول، روز مینڈ (Rosamund Bayen-Powell)۔ *Eighteenth century London life*۔ لندن، ۱۹۳۷ء۔
چغتائی، اکرام۔ مرتب۔ تاریخ یوسفی۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔
خالدی، عمر۔ *An Indian Passage to Europe*۔ کراچی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۶ء۔
خان، گل فشاں۔ *Indian Muslims' Perceptions of the West During the Eighteenth Century*۔ کراچی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۸ء۔
داس، ہریہر (Harihar Das)۔ "The Early Indian Visitors to England"۔ مشمولہ *Calcutta Review*۔ جلد ۱۳، ۱۹۲۴ء: ۸۳۔۱۱۴۔
دہلوی، مولوی سید احمد۔ مرتب۔ فرہنگِ آصفیہ۔ جلد اول تا چہارم۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۷ء۔
ڈگبی، سائمن (Simon Digby)۔ "An Eighteenth Century Narrative of a Journey from Bengal to England: Munshi Isma'il's New History"۔ مشمولہ کرسٹوفر شیکل (Christopher Shackle)۔ مرتب *Urdu and Muslim South Asia*۔ لندن، ۱۹۹۸ء: ۴۹۔۶۴۔
رضوی، مولوی سید تصدق حسین۔ مرتب۔ لغاتِ کشوری۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔
سالٹر، جوزف (Joseph Salter)۔ *The Asiatic in England*۔ لندن، ۱۸۷۲ء۔
سدید، انور۔ اردو ادب میں سفرنامہ۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، سن ندارد۔
علی، ثروت۔ مترجم و مرتب۔ سفر نامۂ فرنگ۔ لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۹ء۔
فراقی، تحسین۔ مقدمہ عجائباتِ فرنگ۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء۔
فشر، مائیکل ایچ (Michael H. Fisher)۔ *Counterflows to Colonialism, Indian Travelers and Settlers in Britain 1600-1857*۔ دہلی، ۲۰۰۴ء۔
مکرجی، گریجا (Girija K. Mookerji)۔ *The Indian Image of Nineteenth Century Europe*۔ لندن، ۱۹۶۷ء۔
گرین، جان (John Green)۔ *A New General Collection of Voyages and Travels: Consisting of the Most Esteemed Relations, which have been hitherto published in any language*۔ لندن، ۱۷۴۵ء۔
گنتھر، ایلن ایم (Allen M. Guenther)۔ "Seeking Employment in the British Empire: Three Letters from Rajah Gobind Ram Bahadur"۔ http://digital.library.mcgill.ca/fontanus/pdfs/Fontanus2010_Guenther_pp129-154.pdf۔ تاریخ ملاحظہ: ۲۱ مارچ ۲۰۱۴، ۱۱:۳۰ بجے صبح۔
لہری، شومپا (Shompa Lahiri)۔ *Indian Mobilities in the West, 1900-1947*۔ نیو یارک: پالگریو میکملن، ۲۰۱۰ء۔
مظفر عالم اور سبرامنیم، سنجے (Sanjay Subrahmanyam)۔ *Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries*۔ کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۷ء۔

میرین ریکارڈ۔ L/MAR/B/480A۔ برٹش لائبریری۔
میرین ریکارڈ۔ L/MAR/B/425C۔ برٹش لائبریری۔
میلسن، رچرڈ (Richard Melson)۔ "Bengal Famine of 1777"۔ http://www.cambridgeforecast.org/MIDDLEEAST/BENGAL.html ۔ اکتوبر، ۲۰۰۶ء۔ تاریخ ملاحظہ: ۲۹ مارچ ۲۰۱۴ء گیارہ بجے شب۔
وہاب، اقبال۔ *Muslims in Brition: Profile of a Community*۔ لندن، ۱۹۸۹ء۔
http://en.wikipedia.org/wiki/Saint_Helena، تاریخ ملاحظہ: ۲۵ مارچ، ۲۰۱۴ء گیارہ بجے شب۔
http://www.jjhc.info/grahamjohn1775.htm، تاریخ ملاحظہ: ۳۰ مارچ پانچ بجے شام۔